احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

اکتوبر 2022ء

انسانی قدروں اور رشتوں کا احترام

سیرتِ مصطفی ﷺ کی روشنی میں

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی و فکری خصوصی خطاب

جشنِ عید میلاد النبی ﷺ

آداب اور تقاضے

نبئ رحمت ﷺ کا اندازِ دعوت و تبلیغ

گنبدِ خضریٰ کا فیضان منہاج القرآن

چیئرمین سپریم کونسل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی خصوصی گفتگو

تحریک منہاج القرآن کا 42 واں یوم تاسیس

علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی، فقہی و قانونی، انقلابی اور فکری و عصری موضوعات پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی 615 سے زائد کتب دستیاب ہیں

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضان نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤ الدین الگیلانی البغدادی

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

زیر نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

جلد: 36 / شمارہ: 9 / ربیع الاول ۱۴۴۴ھ / اکتوبر 2022ء

چیف ایڈیٹر: نور اللہ صدیقی

ایڈیٹر: محمد یوسف

ڈپٹی ایڈیٹر: محبوب حسین

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد رفیق نجم، محمد فاروق رانا
عین الحق بغدادی

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم
جی ایم ملک، محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان
منظور حسین قادری، غلام مرتضیٰ علوی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، پروفیسر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، ڈاکٹر محمد افضل قادری

حسن ترتیب

اداریہ: تحریک منہاج القرآن کا 42واں یوم تاسیس	چیف ایڈیٹر	3
القرآن: انسانی قدروں اور رشتوں کا احترام	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	5
الفقہ: جشنِ عید میلاد النبی ﷺ: آداب اور تقاضے	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	13
بعثتِ مصطفی ﷺ: اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	16
نبی رحمت ﷺ کا اندازِ دعوت و تبلیغ	ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ	20
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ	محمد شفقت اللہ قادری	25
ریاستِ مدینہ اور مصطفوی نظامِ حکومت	احسان حسن ساحر	29
تحریک منہاج القرآن کے 42ویں یومِ تاسیس کے موقع پر مرکزی قائدین کے پیغامات		33
گنبدِ خضریٰ کا فیضان منہاج القرآن	ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	36
رحمتِ حق کو متوجہ کرنے کے ذرائع	پروفیسر محمد الیاس اعظمی	41
خصوصی ہدایات برائے میلاد مہم 2022ء		48

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبر شپ/رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم — گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری — عکاسی: قاضی محمود الاسلام

قیمت فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک فیصل ٹاؤن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext:128

حمد باری تعالیٰ

وہ خالق یکتا سب کا خدا
وہ سب کا حقیقی ہے داتا
پاتے ہیں اُسی سے رزق سبھی
سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ

وہ رازق و مالک سب کا ہے
جو کچھ بھی ہے اس ربّ کا ہے
ہے جان کی ڈوری اس سے بندھی
سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ

سنتا ہے وہی ہر وقت دعا
ہے اس پہ کھلا ہر حال مِرا
نزدیک مِری شہ رگ سے بھی
سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ

مِری رگ رگ میں وہ جیسے لہو
پُر بادۂ ''ہُو'' سے دل کا سبُو
اِک نشہ سا جاں پر طاری
سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ

ظلمت میں نور سویرا وہ
کرتا ہے دور اندھیرا وہ
وہی دور کرے مِری بے بصری
سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ

نیّر کا اسی سے ہے ناتہ
وہ بندۂ مسکیں ہے اس کا
ہر آن ہے اس کی شان نئی
سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ

﴿ضیاء نیّر﴾

میرے حضور ﷺ

ہیں حبیب کبریا میرے حضورؐ
مصطفیٰ خیرالوریٰ میرے حضورؐ

سرورِ عالم شہِ کون و مکاں
شہنشاہِ دوسرا میرے حضورؐ

کعبۃ اللہ با ادب بہرِ سلام
جن کی خاطر جھکا میرے حضورؐ

شاہد اس پر مسجدِ اقصیٰ بھی ہے
ہیں امام الانبیاء میرے حضورؐ

طائرِ سدرہ رہے سدرہ نشیں
عرش پر جلوہ نُما میرے حضورؐ

کیوں نہ چھٹتیں کُفر کی تاریکیاں
جلوۂ شمعِ ھدیٰ میرے حضورؐ

ان کے ہوتے ہاتھ خالی کیوں رہیں
قاسمِ لطف و عطا میرے حضورؐ

''میں ہوں قاسم اور معطی ہے خدا''
کہہ رہے ہیں برملا میرے حضورؐ

کوثر و تسنیم کے بھر بھر کے جام
دیں غلاموں کو پلا میرے حضورؐ

بادشاہ بھی ہیں گدا سرکارؐ کے
مصدرِ جُود و سخا میرے حضورؐ

ہر گھڑی جلوؤں میں اُن کے گُم رہوں
دیں مجھے ایسا نشہ میرے حضورؐ

کاش ہمدآنی دکھادیں خواب میں
مجھ کو روئے جاں فزا میرے حضورؐ

﴿انجینئر اشفاق حسین ہمدآنی﴾

اداریہ

تحریک منہاج القرآن کا 42واں یوم تاسیس

چیف ایڈیٹر
نوراللہ صدیقی

تحریک منہاج القرآن 17 اکتوبر 2022ء کو اپنے قیام کا 42واں یوم تاسیس منا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بے پایاں لطف و کرم اور احسانِ عظیم ہے کہ تحریک منہاج القرآن نے قرآن و سنت کی اساس پر جس مصطفوی مشن کی بنیاد رکھی تھی وہ مشن آج دنیا کے تمام براعظموں میں پھیل چکا ہے۔ پاکستان سمیت 100 سے زائد ممالک میں قائم اسلامی سنٹرز اور ان سے وابستہ سیکڑوں سکالرز، منہاج القرآن کی علمی وفکری، اخلاقی و روحانی، تعلیمی وشعوری اور سماجی و معاشرتی اصلاح کے لئے دن رات کوشاں ہیں۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری دامت برکاتہم العالیہ نے آج سے 42 سال قبل دعوت و تبلیغِ حق، اصلاحِ احوال اُمت، تجدید واحیائے دین، ترویج و اشاعتِ اسلام، اتحادِ اُمت اور انسانی معاشرے میں تحمل و برداشت اور امن و اعتدال کے فروغ کے لئے جس عالمگیر تحریک کی بنیاد رکھی تھی، آج وہ تحریک ایک ایسا گھنا شجر سایہ دار بن چکا ہے کہ جس کی چھاؤں اور ٹھنڈک شرق و غرب تک پھیلی ہوئی ہے اور اللہ رب العزت کے فضل و کرم کے ساتھ اور حضور نبی اکرم ﷺ کے نعلین پاک کے تصدق سے تحریک منہاج القرآن کا تجدیدی و اصلاحی تعلیمی و تربیتی کردار ہر گزرتے دن کے ساتھ وسعت پذیر ہے۔ یہ ہمہ جہت تحریک تعلق باللہ، ربط رسالت، رجوع الی القرآن، فروغِ علم، بیداری شعور، مواخات و موالات اور ترویج و اشاعتِ اسلام کے لئے متحرک وکوشاں ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری دامت برکاتہم العالیہ نے ایک ایسے ماحول میں تحریک منہاج القرآن کی بنیاد رکھی جب اسلام کے نام پر مختلف گروہ ایک دوسرے کی جان کے درپے تھے۔ علمی مباحث کو چوراہوں کی گفتگو بنا کر داخلی امن و استحکام اور اسلام کی پرُامن تعلیمات کو بری طرح مجروح کیا جارہا تھا۔ علمی اختلاف کو ذاتی دشمنی میں تبدیل کئے جانے کی روش عام تھی۔ اسلام کے نام پر بھائی، بھائی کا گلا کاٹ رہا تھا اور قوم کو فرقہ واریت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں جھونک دیا گیا تھا اور اُمتِ محمدیہ کی قرآنی شناخت ''اعتدال'' کو دھندلا کر دیا گیا تھا۔ اس ماحول میں تحریک منہاج القرآن نے قرآنی منہج پر اتحادِ اُمت اور عشق مصطفیٰ ﷺ کا نعرہ بلند کیا اور اسلامیان پاکستان کو محبت و اخوت، اعتدال و رواداری کا پیغام دیا اور دنیا کو بتایا کہ ایک مسلمان کی پہچان اُس کا پرامن اور پیکر اخوت ومحبت ہونا ہے۔ تحریک منہاج القرآن کی 42 سالہ زندگی میں بہت سارے فکری نشیب وفراز آئے۔ تحریک فرقہ واریت کے کانٹوں سے بھی گزری، انتہا پسندی اور دہشت گردی کی آگ کی تپش کو بھی برداشت کیا، اسلام اور ایمان کی بنیادوں پر ہونے والے تکفیری وار ناکام بنائے، عقیدہ ختم نبوت پر ہونے والے ناپاک حملوں کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اہل بیتِ اطہار کی محبت اور اصحاب رسول ﷺ کے تقدس کا بھی دفاع کیا۔ ہر موقع اور مرحلہ پر اللہ رب العزت نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو اُمہ کی عدالت میں سرخرو کیا۔ فی زمانہ اگر اسلام کے ''لاتفرقوا'' کی الوہی فکر کا پرچم تھام کر اگر کوئی تحریک باوقار انداز کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے تو وہ تحریک منہاج القرآن ہے۔

اللہ رب العزت نے مسلم معاشرے میں رہنے والوں کو ایک دوسرے سے محبت، خیر خواہی اور بھلائی کی نصیحت کے

احکام دیتے ہوئے فرمایا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو نقصان نہ پہنچائے، اذیت دے نہ بے عزت کرے، کسی کی برائی چاہے اور نہ خود برا سلوک کرے، ہر شخص دوسرے کے لئے بہی خواہ، ہمدرد، نفع رساں، محبت کرنے والا اور بھلائی پہنچانے والا ہو۔ اسی لئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: ’’بات یہی ہے کہ (سب) اہل ایمان (آپس میں) بھائی ہیں‘‘۔ سورۃ الحجرات کی اس ایک چھوٹی سے آیت میں امنِ عالم اور اتحاد بین المسلمین کی فکر پنہاں ہے۔ جب قرآن نے کہہ دیا کہ اہلِ ایمان آپس میں بھائی ہیں تو پھر فروعی اختلافات کی بنیاد پر ایک دوسرے کو اذیت پہنچانا اور بے توقیر کرنا اللہ کے صریح حکم کی خلاف ورزی ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ: ’’انما المومنون اخوۃ‘‘ کی تعلیمات کے تحت منہاج القرآن نے معاشرے کو نفرتوں سے پاک کرتے ہوئے ہر ایک کے لئے دل اور دروازے کھولے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری دامت برکاتہم العالیہ نے فرمایا: ’’مومن کی شان یہ ہے کہ وہ آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں، ایک دوسرے پر ظلم و بربریت، جبر و دہشت گردی، ڈاکہ زنی نہیں کرتے، نہ ایک دوسرے کا مال اور جائیداد لوٹتے ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے ہیں بلکہ ایک دوسرے کے بھائی ہوتے ہیں، ایک دوسرے کی حفاظت کرنے والے، پردہ پوشی کرنے والے، پیار کرنے والے اور کمزوری، گناہ اور خطا پر پردہ ڈالنے والے ہوتے ہیں۔ مومنوں کی اس تعریف کو قرآن نے ’’انما‘‘ کلمہ حصر کے ذریعے بیان کیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ مومن صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جن میں باہم بھائی چارہ ہو۔ جس طرح مواخاتِ مدینہ کے ذریعے حضور نبی اکرم ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم فرمایا کہ انہیں آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ پس ثابت ہوا کہ جب تک مسلمانوں کی زندگی میں محبت و اخوت کا یہ عملی نمونہ نظر نہیں آتا، وہ قرآن کے ایمانی معیار پر کبھی پورے نہیں اُتر سکتے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ سراپا رحمت اور پیکرِ جود وسخا ہیں۔ اوصاف وکمالات مصطفیٰ ﷺ کے بے شمار پہلو آپ ﷺ کے ننانوے اسماء سے ظاہر ہیں۔ ان سب میں ایک ہی شان جھلکتی نظر آتی ہے کہ آپ ﷺ پیکرِ محبت و رحمت ہیں۔ آپ ﷺ کی فطرت میں ودیعت کردہ یہ جذبۂ محبت و شفقت صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام عالمین کے لئے ہے۔ گویا ہر زمان و مکان کی مخلوق کو حضور نبی اکرم ﷺ کے در سے صرف محبت و رحمت کی ہی خیرات ملتی ہے۔ آپ ﷺ کی مخلوقِ خدا بالخصوص اُمت مسلمہ کے لئے محبت و رحمت کا یہ عالم ہے کہ اگر کسی بھی انسان کو کوئی معمولی سی بھی تکلیف اور اذیت پہنچتی ہے یا کوئی ہلکی سی مشقت بھی آن پڑتی ہے تو اس کا دکھ درد اور اثر حضور نبی اکرم ﷺ اپنی جان پر محسوس کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: ’’یہ نبی (مکرم ﷺ) مومنوں کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ قریب اور حق دار ہیں‘‘۔ یہی وہ قرآنی اور مصطفوی تعلیمات ہیں جن کے ذریعے تحریک منہاج القرآن اتحادِ اُمت کے لئے دن رات کوشاں ہے اور سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی میں اُمت مسلمہ بالخصوص نوجوانوں کے اخلاق اور کردار سنوار رہی ہے۔ تحریک منہاج القرآن کے 42 ویں یوم تاسیس پر تمام ذمہ داران، رفقاء، کارکنان اور وابستگان کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت سے دلی دعا ہے کہ تحریک منہاج القرآن تاقیامت حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے مستنیر و مستفیض ہوتے ہوئے رحمت، شفقت، آسانی، اعتدال، علم وفکر اور بیداری شعور کی خیرات بانٹتی رہے۔

سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی میں

اِنسانی قدروں اور رشتوں کا احترام

اگر کسی شخص کی طبیعت اور مزاج پر نرمی، شفقت اور محبت کا عنصر غالب ہو تو وہ جان لے کہ اُسے اللہ کی طرف سے ایک عظیم نعمت میسر ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا علمی و فکری خصوصی خطاب

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین.... معاون: محمد ظفیر ہاشمی

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ. (آل عمران، ۳: ۱۵۹)

”(اے حبیبِ والا صفات!) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم طبع ہیں اور اگر آپ تُندخُو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے۔“

اللہ رب العزت کا عظیم احسان ہے کہ اس نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات کی صورت میں اپنی رحمت کا عظیم عکس انسانیت کو عطا فرمایا۔ اس آیت مبارکہ میں آپ ﷺ کے اخلاق کا ایک جامع تعارف کروایا گیا ہے کہ آپ ﷺ سراپا رحمت ہیں اور آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی طبیعت نرم ہے اور برتاؤ میں سختی نہیں۔ چونکہ آپ ﷺ کے مَن میں سختی نہیں، اس لیے آپ ﷺ کے ظاہر میں بھی سختی نظر نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ آپ ﷺ کی طرف رغبت اور شوق رکھتے ہیں اور جو آپ ﷺ کے حلقہ میں آ جاتا ہے، پھر وہ آپ ﷺ سے بھاگ کر دور نہیں جاتا۔

آپ ﷺ کا ہر مخلوق کے لیے نرم اور پیکرِ شفقت ہونا، آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا وہ خاص پہلو ہے، جسے قرآن مجید نے بالخصوص بیان فرمایا۔

سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کو اپنانے کے قرآنی اصول

آپ ﷺ کی ذات میں پائی جانے والی رفق، نرمی، محبت اور شفقت کے پہلو کی تفہیم اور توضیح کے لیے قرآن مجید کی درج ذیل تین آیات نہایت قابلِ غور ہیں۔ آقا ﷺ کی سیرت طیبہ کو اپنانے کے لیے ان آیات کو تین تعلیمات اور اصول بھی قرار دیا جاسکتا ہے:

ا۔ پہلا اصول: نیکی اور بدی یکساں نہیں

نیکی اور بدی وہ بنیادی انسانی رویّے ہیں جن پر انسانی رشتے اور قدریں استوار ہوتی ہیں۔ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ. (فصلت، ۴۱: ۳۴)

”اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوسکتی۔“

اس آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ آقا ﷺ کی سیرتِ طیبہ نے انسانیت کو یہ تعلیم دی کہ جب ہمارا دوسروں کے ساتھ معاملہ، برتاؤ، لین دین ہو تو یاد رکھو کہ کبھی اچھائی اور بُرائی کا طرزِ عمل ایک جیسے نہیں ہوسکتے۔ آقا ﷺ نے نیکی، اچھائی، بھلائی، احسان، شفقت اور نرمی پر مشتمل طرزِ عمل کو بلند اور اعلیٰ و ارفع قرار دیا اور وہ طرزِ عمل جس میں بدی، بُرائی اور ظلم ہے، اسے گھٹیا اور پست قرار دیا۔ یعنی برائی اور ظلم کے طرزِ عمل

☆ خطاب نمبر: Ec-134، تاریخ: 29 اکتوبر 2020ء، کینیڈا

کو ترک کرنے کا کہا اور نیکی پر مبنی طرزِ عمل کو زندگی کے ہر زاویہ میں اپنانے کی تاکید فرمائی۔

۲۔ دوسرا اصول: برائی کو احسن طریق سے دور کرنا

دوسرا اصول جو سیرتِ طیبہ سے معلوم ہوتا ہے، اس کا حکم قرآن مجید میں یوں دیا گیا۔ ارشاد فرمایا:

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ (فصلت، ۴۱: ۳۴)

’’اور برائی کو بہتر (طریقے) سے دور کیا کرو۔‘‘

یعنی اگر ہم سے کوئی بُرائی کا معاملہ کرے، کسی کی طرف سے کوئی زیادتی صادر ہو جائے تو ہم اسے بہتر اور اچھے طریقے سے دور کریں۔ بُرائی کو بُرائی کے ساتھ رد نہ کریں بلکہ بُرائی کا جواب اچھائی کے ساتھ دیں۔ یہ طرزِ عمل ہی کردار کی مضبوطی کا اہم ترین پیمانہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مصمم ارادے کے ساتھ سیرتِ محمدی ﷺ اور قرآنی تعلیم وتربیت کے اس پہلو پر ہم اپنی توجہ مذکور کریں۔

اگر مذکورہ دونوں اصولوں کو یکجا کریں تو یہ مفہوم سامنے آتا ہے کہ بدی کو کسی اعتبار سے بھی نیکی کے برابر نہیں ٹھہرایا جاسکتا، لہٰذا اگر کوئی ہمارے ساتھ بُرائی اور زیادتی کا طرزِ عمل اختیار کرے تو اسے اچھائی کے ساتھ دور کیا جائے۔

۳۔ تیسرا اصول: صبر اختیار کرنا

حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کے عکس کی ایک جھلک اس ارشادِ خداوندی کی مظہر ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا. (فصلت، ۴۱: ۳۵)

’’اور یہ (خوبی) صرف اُنہی لوگوں کو عطا کی جاتی ہے جو صبر کرتے ہیں۔‘‘

یعنی بُرائی کو اچھائی کے ساتھ دور کرنا، ایک عظیم خوبی ہے۔ بدی کا بدلہ نیکی کے ساتھ دینا کوئی معمولی بات نہیں بلکہ اس کے لئے بڑا حوصلہ چاہیے، اس لیے واضح کردیا کہ یہ خوبی صرف اُنہی لوگوں کو عطا ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں۔ جو لوگ بے صبری کرتے ہیں اور اپنی خواہشات پر قابو نہیں پا سکتے، وہ اِس خوبی و کردار سے محروم رہتے ہیں۔

اخلاقِ حسنہ کا حامل ہونا اعلیٰ نصیب کی علامت

زندگیوں میں مذکورہ تینوں پہلوؤں کے اعتبار سے نرمی و شفقت کا ہونا کن لوگوں کا مقدر ہوتا ہے؟ اس حوالے سے ارشاد فرمایا:

وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِيْمٍ۔ (فصلت، ۴۱: ۳۵)

’’اور یہ (توفیق) صرف اسی کو حاصل ہوتی ہے جو بڑے نصیب والا ہوتا ہے۔‘‘

بدی کو نیکی کے ذریعے دور کرنا، بُرائی کا بدلہ اچھائی کے ساتھ دینا اور زیادتی و ناانصافی پر ضبطِ نفس اور صبر سے کام لینا، بڑے ظرف کا کام ہے۔ اِس کی توفیق صرف اُنہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو بڑے نصیب والے ہوتے ہیں۔ یاد رکھیں! اسلام کی ساری نعمتیں الگ الگ نصیب ہیں جو اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اُس کی صلاحیت و استعداد اور استحقاق کے مطابق دیتا ہے مگر زندگی میں سرتا پا اخلاقِ حسنہ کا حامل ہونا، سراپا صبر اور نرمی، شفقت اور محبت کا پیکر ہونا، یہ طرزِ عمل **ذُو حَظٍّ عَظِيْمٍ** بڑے نصیب والا ہے۔

یہ تین اہم ترین بنیادی انسانی روّیے ہیں جن سے شخصیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اہلِ حق کو اعلیٰ مقام ومرتبہ درحقیقت حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے نور سے ملا ہے اور ہمیں بھی صوم وصلوٰۃ، عبادت و ریاضت اور مجاہدہ کی پابندی کرتے ہوئے اس طرزِ عمل اور مزاج کو اپنی شخصیت میں پیدا کرنا ہوگا۔

سراپا نرمی وشفقت ہونا سب سے بڑی نعمت ہے

اگر کسی شخص کی طبیعت اور مزاج پر نرمی، شفقت اور محبت کا عنصر غالب ہو تو وہ جان لے کہ اُسے اللہ کی طرف سے ایک عظیم نعمت میسر ہے۔ جس شخص کی طبیعت میں نرمی و ملاطفت اور شفقت ہو تو اللہ تعالیٰ اسے وہ اجر عطا کرتا ہے جو کسی دوسرے نیک عمل پر نہیں دیتا۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آقا ﷺ نے فرمایا:

إن الرفق لا يكون في شيء إلا زانه ولا ينزع من شيء إلا شانه (أخرجه مسلم في الصحيح، كتاب البر والصلة والأدب، ۴: ۲۰۰۴، الرقم ۲۵۹۴)

یعنی کسی بھی طرزِ عمل، رویے یا معاملے میں اگر نرمی آجائے تو یہ نرمی اُس عمل کو نہایت خوبصورت اور مزین بنا دیتی ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی عمل اور رویّے سے نرمی نکل جائے اور اس کی جگہ سختی آجائے تو وہ اچھے سے اچھے عمل کو بھی بدصورت اور کم درجہ بنا دیتی ہے۔ گویا نرمی؛ عمل کو حسین کر دیتی ہے اور نرمی کی جگہ سختی آجائے تو وہ اس عمل کا حُسن چھین لیتی ہے۔

حضرت ابو درداء ﷺ سے مروی ہے کہ آقا ﷺ نے فرمایا:

من أعطى حظه من الرفق فقد أعطى حظه من الخير ومن حرم حظه من الرفق فقد حرم حظه من الخير. (أخرجه الترمذي في السنن، كتاب البر والصلة، ۴: ۳۶۷، الرقم ۲۰۱۳)

یعنی جس شخص کو اُس کی طبیعت اور مزاج میں نرمی کا جتنا حصہ عطا ہو جائے، اُس قدر اُسے خیر کا حصہ مل جاتا ہے اور جس شخص کی طبیعت اور مزاج سے جتنی نرمی کم ہوتی چلی جائے، اُس بندے کی زندگی اور شخصیت سے اُتنی ہی خیر کم ہوتی چلی جاتی ہے۔

ہمارے ہاں عمومی طور پر دو طبقات پائے جاتے ہیں:

۱۔ ایک طبقہ وہ ہے جو دین، طاعت اور عبادت سے دور ہے۔

۲۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو دین پر عمل کرتا ہے، مذہبی مزاج رکھتا ہے، دین کے اعمال، عبادات اور طاعات بجالاتا ہے مگر اس کا پورا فوکس دین کی ظاہری و رسمی شکل وصورت پر رہتا ہے۔ طبیعت کے اندر نرمی و شفقت اس کے نزدیک ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔

ہمیں سوچنا ہو گا کہ ہم عبادت و طاعت کے عمل کے ساتھ حقوق العباد کے درجے میں کس قدر شفقت اور نرمی کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔۔۔؟ عشقِ رسول ﷺ اور اطاعت و اتباعِ رسول ﷺ کا دم بھرنے والوں کی گفتگو میں کتنی نرمی، ملاطفت، دلجوئی، محبت اور شفقت ہوتی ہے۔۔۔؟ ہم عبادت کرتے ہیں، نوافل پڑھتے ہیں، میلاد مناتے ہیں اور دیگر دینی اعمال اور طاعات بجائے لاتے ہیں مگر افسوس کہ مزاج میں سختی اور زبان میں کرختگی بھی ہوتی ہے۔ ہمارے لفظ دوسروں کو دکھ دینے والے، ہمارے رویّے دل جلانے والے اور دوسروں کی طبیعت کو مایوس کرنے والے ہوتے ہیں۔

ہم نے آقا ﷺ کے مذکورہ فرمان پر غور ہی نہیں کیا کہ جس شخص کی طبیعت اور مزاج میں جتنی نرمی، شفقت اور محبت بڑھتی چلی جائے، اُس کی زندگی میں خیر کا اُتنا حصہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور جتنی نرمی کم ہوتی چلی جائے یعنی لب ولہجہ، اندازِ گفتگو اور رویّہ جتنا سخت ہوتا چلا جائے، اُتنی خیر کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ اعمال کی قبولیت اور رد ہونے کا انحصار بھی نرمی پر ہے۔

اخلاقِ مصطفیٰ ﷺ کے چند مظاہر

ذیل میں حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ اور شخصیتِ مقدسہ کے تناظر میں کچھ بنیادی اخلاقی اصول ذکر کیے جارہے ہیں کہ جن پر عمل پیرا ہوکر ہی ہم دین کی اصل روح تک پہنچ سکتے ہیں:

۱۔ چہرۂ اقدس پر کشادگی اور بشاشت

امام ترمذی نے سیرتِ طیبہ ﷺ کا ایک خاکہ کھینچتے ہوئے روایت کیا ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ دَائِمَ الْبِشْرِ، سَهْلَ الْخُلُقِ، لَيِّنَ الْجَانِبِ. (أخرجه الترمذي في الشمائل المحمدية، ۲۹۰، الرقم ۳۵۲)

یعنی رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اَقدس پر ہمیشہ کُشادگی اور بشاشت رہتی تھی۔ آپ ﷺ کے اَخلاق اور برتاؤ میں ہمیشہ نرمی ہوتی، اور آپ ﷺ سے معاملہ کرنا بڑا آسان ہوتا تھا۔ آپ ﷺ سے لین دین اور گفتگو کرنے والے کو کبھی یہ محسوس نہ ہوتا کہ آپ ﷺ سے معاملہ کرنا بڑا مشکل ہے بلکہ وہ کہتا کہ آپ ﷺ سے معاملہ کرنا نہایت آسان ہے۔

آقا ﷺ کی سیرت طیبہ کے ایک اور خوبصورت پہلو کو حضرت عکرمہ ﷺ نے روایت کیا کہ جب کوئی شخص آپ ﷺ سے ملتا اور آپ ﷺ اُس کے چہرے پر تبسم اور کشادگی دیکھتے تو خوش ہو کر اُس کا ہاتھ تھام لیتے۔

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا لَقِيَ الرَّجُلَ فَرَأَى فِي وَجْهِهِ الْبِشْرَ صَافَحَهُ وَفِي رِوَايَةٍ أَخَذَ بِيَدِهِ.

(أخرجه ابن أبي الدنيا في الإخوان، ۱: ۱۹۰، الرقم ۱۳۷)، (أخرجه ابن سعد في الطبقات الكبرى، ۱: ۳۷۸)

جب حضور نبی اکرم ﷺ کسی شخص سے ملتے اور اُس کے

چہرے پر خوشی و فرحت (اور کشادگی کے آثار) دیکھتے تو (اس کی تحسین و تبریک کے لیے) اس سے مصافحہ فرماتے۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس کا ہاتھ تھام لیتے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی سیرت مبارکہ سے ہمارے لئے زندگی بسر کرنے کے لیے ایک معیار مقرر کر دیا ہے۔ ہر امتی پر لازمی ہے کہ وہ دیکھے کہ کیا یہ چیزیں اس کے خلق اور برتاؤ میں پائی جاتی ہیں:

۱۔ ہمیں جب کوئی شخص دیکھتا ہے تو کیا ہمیشہ ہمارے چہرے پر کشادگی اور بشاشت دیکھتا ہے یا غصہ، ناراضگی اور درشتگی دیکھتا ہے۔

۲۔ ہم سے معاملہ کرنے والا آدمی ہمارے اخلاق اور برتاؤ میں نرمی اور لچک محسوس کرتا ہے یا اس کے برعکس وہ ہم سے ڈیل کرتے ہوئے گھبراتا اور مشکل محسوس کرتا ہے۔

یہ سیرتِ محمدی ﷺ کا معیار ہے اور یہی اسلامی کردار ہے۔ یہ ایسی کسوٹی ہے جس پر ہر کوئی اپنے احوال و اعمال کو پرکھ سکتا ہے۔

۲۔ دوسروں کی مدد کرنے پر ہمیشہ کمر بستہ

آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں نرمی و شفقت دوسروں کی مدد کے تناظر میں بھی ہمیشہ عروج پر رہتی۔ آپ ﷺ کے صحابہ اور غلاموں اور اہلِ بیت اطہار کے گھرانے میں سے اگر کوئی کسی مشکل، مصیبت یا مدد میں آپ ﷺ کو پکارتا تو آپ ﷺ پکارنے والے کی آواز سن کر جواباً اُسے لبیک کہتے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ روایت کرتی ہیں:

مَا كَانَ أَحَدٌ أَحْسَنَ خُلُقًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، مَا دَعَاهُ أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، وَلَا مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ إِلَّا قَالَ: لَبَّيْكَ، فَلِذٰلِكَ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم، ۶۸: ۴) (أخرجه وأبو نعيم في دلائل النبوة، ۱: ۱۸۱، الرقم ۱۱۹)

رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حسنِ اخلاق والا کوئی نہیں تھا، صحابہ میں سے یا اہلِ بیت میں سے جب بھی کوئی آپ ﷺ کو پکارتا تو آپ ﷺ فرماتے: میں موجود ہوں، اِسی لیے اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی (آپ ﷺ خُلقِ عظیم کے بلند مرتبے پر فائز ہیں)۔

۳۔ دوسروں کو شرمندگی سے بچانا

حضور نبی اکرم ﷺ دوسروں کے لیے نرمی، شفقت اور محبت کا اظہار نہ صرف عملی طور پر کرتے بلکہ آپ ﷺ دوسروں کے احساسات کا بھی خیال کرتے۔ حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ:

وَكَانَ إِذَا أَنْكَرَ الشَّيْءَ يَقُوْلُ: كَذَا قُضِيَ (أخرجه أبو الشيخ الأصبهاني في أخلاق النبي ﷺ وآدابه، ۱: ۱۹۲، الرقم ۵۱)

اگر کسی سے کوئی نامناسب کام ہو جاتا تو آپ ﷺ اُس کام کرنے والے کو موردِ الزام نہیں ٹھہراتے تھے۔ یہ نہیں کہتے تھے کہ تم نے یہ کیا کر دیا، ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا بلکہ فرماتے تھے قضیٰ قضی اللہ کو ایسا ہی منظور تھا۔

یہ طرزِ عمل اس لیے اختیار فرماتے کہ دوسرا شخص اپنے کیے پر شرمندہ نہ ہو، وہ Embracement feel نہ کرے۔ یہ انسانی احساسات کے احترام کی انتہا کی ایک اعلیٰ قدر ہے۔

۴۔ تکلیف کے باوجود دوسروں کی دلجوئی کرنا

احادیث کی کتب میں کئی واقعات ایسے ملیں گے جو بظاہر بہت بڑے نظر نہیں آئیں گے مگر جب ہم گہرائی میں جا کر ان کا جائزہ لیں گے اور روز مرہ کی زندگی میں ان کو پرکھیں گے تو ہمیں اُن کی قدر و قیمت، اہمیت اور انسانی سیرت کے حُسن کے ساتھ اُن کی مطابقت سمجھ آئے گی۔ ان ہی واقعاتِ سیرت میں سے ایک نمایاں واقعہ یہ ہے جو آپ ﷺ کے معمولات میں شامل تھا جسے حضرت انس بن مالک ؓ روایت کرتے ہیں:

آپ ﷺ نماز فجر پڑھ کر نکلتے تو مدینہ پاک کے غریب اور مسکین لوگ اپنے برتن اور پیالوں میں پانی لے کر دم کروانے کی خاطر مسجد کے باہر کھڑے ہوجاتے:

فَمَا يُؤْتَى بِإِنَاءٍ إِلَّا غَمَسَ يَدَهُ فِيهَا، فَرُبَّمَا جَاؤُوْهُ فِي الْغَدَاةِ الْبَارِدَةِ، فَيَغْمِسُ يَدَهُ فِيهَا.

(أخرجه مسلم في الصحيح، كتاب الفضائل، باب قرب النبي ﷺ من الناس وتبركهم به، ۴: ۱۸۱۲، الرقم ۲۳۲۴)

وہ ٹھنڈا پانی برتنوں میں لے کے کھڑے ہوتے کہ آقا ﷺ اُس میں ہاتھ ڈبو دیں تاکہ وہ شفا والا پانی گھر لے جا کر اپنے

مریضوں کو پلائیں۔ آقا ﷺ ہر ایک کے پیالے میں ہاتھ ڈبوتے۔ جب ٹھنڈے موسم کے باعث پانی سخت ٹھنڈا ہوتا تو پھر بھی آپ ﷺ اس میں اپنا دستِ مبارک ڈبو دیتے اور کبھی پانی کے ٹھنڈا ہونے کے باعث انکار نہ فرماتے بلکہ وہ جس حال میں بھی پانی لاتے، آقا ﷺ اُن کی دلجوئی فرماتے چلے جاتے۔

۵۔سوال کرنے والے کو کبھی انکار نہ کرنا

آپ ﷺ کی پوری حیات طیبہ میں ایسا لمحہ کبھی نہیں آیا کہ کسی سائل نے آقا ﷺ سے کچھ مانگا ہو اور آپ ﷺ نے جواب میں انکار فرمادیا ہو۔ سوالیوں اور حاجت مندوں پر آپ ﷺ کا شفقت کا عالم یہ تھا کہ: **لا یسأل شیئا إلا أعطاہ.**

جس نے جو کچھ مانگا آقا ﷺ اُسے عطا کرتے۔

(ابن أبی شیبۃ، المصنف، ۷: ۴۱۹، الرقم ۳۶۹۹۹)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

مَا سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ شَیءٍ قَطُّ، فَقَالَ: لَا.

(أخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب الأدب، باب حسن الخلق والسخاء وما یکرہ من البخل، ۵: ۲۲۴۴، الرقم ۵۶۸۷)

آپ ﷺ سے جب بھی کسی شے کے عطا کرنے کے بارے سوال کیا گیا ہو تو آپ ﷺ نے کبھی جواب میں انکار نہیں فرمایا۔ احادیث میں یہاں تک آتا ہے کہ اگر کوئی شخص آپ ﷺ سے ایسا سوال کرتا جو کرنے والا ہوتا تو آپ فرماتے: **نعم** اور اگر کوئی شخص ایسا سوال کر دیتا جو نامناسب ہوتا اور آپ ﷺ وہ نہ کرنا چاہتے تو تب بھی ''نہیں'' آپ ﷺ کی زبان پر نہ ہوتا تھا بلکہ آپ ﷺ خاموش رہتے۔ آپ ﷺ کے خاموش ہونے سے سائل سمجھ جاتا کہ یہ بات جو میں نے کی ہے، نا مناسب ہے اور اس کا ہونا ممکن نہیں ہے۔ یہ آقا ﷺ کی سیرت طیبہ کا خاص پہلو ہے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں ستر ہزار یا نوے ہزار درہم ہدیہ پیش کیے گئے۔ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب بھی اس طرح کے اموال آتے تو آپ ﷺ چٹائی پر رکھ دیتے اور حاجت مندوں کو بلاتے اور اُٹھنے سے پہلے سارا تقسیم فرما دیتے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اِسی طرح ایک روز جب سارا کچھ تقسیم کر چکے تو بعد میں ایک سوالی آیا اور اُس نے سوال کیا تو آقا ﷺ نے فرمایا:

مَا عِنْدِي شَيْءٌ وَلٰكِنِ ابْتَعْ عَلَيَّ فَإِذَا جَاءَنَا شَيْءٌ قَضَيْنَاهُ (ذکرہ القاضی عیاض فی الشفا ۱۵۶، الرقم ۱۹۴)

اب میں سارا تقسیم کر بیٹھا ہوں۔ اِس وقت کچھ نہیں بچا مگر جاؤ جس جس چیز کی تمہیں ضرورت ہے، میرے نام پر اُدھار خرید لو۔ جب میرے پاس پیسے آئیں گے تو میں سارا اُدھار چکا دوں گا۔

۶۔گناہِ کبیرہ کے مرتکبین پر بھی لطف و کرم

وہ خطا کار، معصیت کار اور گناہگار جو سزا کے مستحق ہوتے تو اُن لوگوں پر اللہ کی حد نافذ کرتے ہوئے بھی آقا ﷺ کا رویہ نرمی اور شفقت پر مبنی تھا۔ حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک صحابی ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ گناہ کبیرہ کر بیٹھے اور آقا ﷺ کی بارگاہ میں آگئے اور عرض کیا: **يَا رَسُوْلَ اللهِ، طَهِّرْنِي فَقَالَ: وَيْحَكَ، ارْجِعْ، فَاسْتَغْفِرِ اللهَ، وَتُبْ إِلَيْهِ.**

یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا ناس ہو، جاؤ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور توبہ کرو۔

اُنہوں نے پھر تھوڑی دیر بعد آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے پھر اُسی طرح فرمایا۔ اُنہوں نے پھر تھوڑی دیر بعد آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے پھر اُسی طرح فرمایا۔ چوتھی بار جب وہ پھر آئے اور پاک کرنے کا تقاضا کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

فِيمَ أُطَهِّرُكَ؟ تمہیں کس چیز سے پاک کروں؟

اُنہوں نے عرض کیا: زنا سے۔

اس اقرار کے باوجود آقا ﷺ کی طبیعتِ مقدسہ کی نرمی، شفقت اور ملاطفت، دیکھیے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی طرف دیکھ کر پوچھا:

أَبِهِ جُنُوْنٌ؟ فَأُخْبِرَ أَنَّهُ لَيْسَ بِمَجْنُوْنٍ.

اِس کا ذہنی توازن تو خراب نہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: نہیں۔ وہ کوئی پاگل نہیں ہے۔

آپ ﷺ نے پوچھا: **أَشَرِبَ خَمْرًا؟**

کیا اِس نے شراب پی ہے؟ ایک شخص نے کھڑے ہو کر

اُن کا منہ سونگھا تو شراب کی بدبو محسوس نہیں کی۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَزَنَيْتَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ. فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ .

کیا تم نے زنا کیا ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا: ہاں۔ پھر آپ ﷺ کے حکم کے مطابق انہیں سنگسار کر دیا گیا۔

اِس کے بعد حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے متعلق لوگوں کے دو گروہ بن گئے۔ بعض کہتے: ماعز ہلاک ہوگئے اور اِس گناہ نے اُنہیں گھیر لیا اور بعض لوگ کہتے: ماعز کی توبہ سے کسی کی توبہ افضل نہیں ہے کیوں کہ انھوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اقرارِ جرم کیا۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو، تین دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہی اختلاف رہا۔ پھر ایک دن حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا:

اسْتَغْفِرُوا لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: فَقَالُوا: غَفَرَ اللهُ لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ.

(أخرجه مسلم في الصحيح، كتاب الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنى، ۳: ۱۳۲۱-۱۳۲۲، الرقم ۱۶۹۵)

ماعز بن مالک کے لیے استغفار کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ تعالیٰ ماعز بن مالک کی مغفرت فرمائے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسے ایک اُمت پر تقسیم کر دیا جائے تو (بخشش کے لیے) سب کو کافی ہوگی۔

یہ اخلاقِ محمدی، آقا علیہ السلام کی شفقت، نرمی اور کرم نوازی ہے کہ ایسی صورت حال میں بھی آقا علیہ السلام ایسا طرزِ عمل اختیار فرماتے اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے ایسے کلمات ادا ہوتے۔

☆ اسی طرح کی ایک اور روایت حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ ایک غامدیہ عورت نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے، مجھے پاک کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے اُسے واپس بھیج دیا۔ دوسرے دن آ کر اُس نے پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے مجھے کیوں واپس کر دیا؟ شاید آپ مجھے ماعز کی طرح واپس کرنا چاہتے ہیں لیکن خدا کی قسم! میں زنا سے حاملہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

إِمَّا لَا، فَاذْهَبِي حَتَّى تَلِدِي.

اچھا، اگر ایسا ہے تو پھر ابھی نہیں، واپس جاؤ اور بچہ پیدا ہونے کے بعد آنا۔

بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ عورت اُس بچے کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر لائی اور عرض کیا: لیجئے، یہ میرا بچہ پیدا ہوگیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اذْهَبِي، فَأَرْضِعِيهِ حَتَّى تَفْطِمِيهِ .

جاؤ جا کر اسے دودھ پلاؤ، حتیٰ کہ اِس کی مدتِ رضاعت ختم ہو جائے۔

جب بچے کی مدتِ رضاعت ختم ہو گئی تو وہ اُسے اِس حال میں لے کر آئی کہ اُس کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا۔ اُس نے عرض کیا:

هَذَا، يَا نَبِيَّ اللهِ، قَدْ فَطَمْتُهُ وَقَدْ أَكَلَ الطَّعَامَ .

لیجئے! یا نبی اللہ! اِس کا دودھ چھوٹ گیا ہے اور اب یہ کھانا کھانے لگا ہے۔

آپ ﷺ نے وہ بچہ ایک مسلمان شخص کے حوالے کیا، اور پھر اس عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ دورانِ رجم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اُس عورت کو برا بھلا کہا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَهْلًا، يَا خَالِدُ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهُ.

(أخرجه مسلم في الصحيح، كتاب الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنى، ۳: ۱۳۲۲، الرقم ۲)

اے خالد! ایسا نہ کہو، اِس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر (ظلماً) خراج لینے والا بھی ایسی توبہ کرتا تو اُسے بخش دیا جاتا۔ پھر آپ ﷺ نے اُس کی نمازِ جنازہ پڑھی اور اُسے دفن کر دیا گیا۔

☆ ان واقعات سے درج ذیل امور واضح ہوتے ہیں:

۱۔ گناہِ کبیرہ کرنے والے جب اپنے جرم کا اقرار کررہے ہیں کہ ہم سے گناہِ کبیرہ ہوا ہے، ہمیں پاک کردیں تو انھیں علم تھا کہ وہ اپنے آپ کو حد کے لیے پیش کررہے ہیں۔ ان کے اس اقرار کے باوجود آقا علیہ السلام کا طرزِ عمل دیکھئے کہ آپ ﷺ نے حد جاری کرنے کے بجائے فرمایا: واپس چلے جاؤ اور اللہ سے معافی مانگو۔

۲۔ اس واقعہ کا ایک زاویہ یہ ہے کہ ایک انسان اور بشر کی حیثیت سے ان سے گناہِ کبیرہ ہوگیا، مگر دوسرا زاویہ یہ ہے کہ

گناہِ کبیرہ جس کی اِتنی بڑی سزا بنتی ہے، اُس کا ارتکاب کرنے کے بعد بھی ان کا ضمیر مردہ نہیں ہوا، وہ سزا سے بھاگ نہیں گئے بلکہ سزا لینے اور اپنے اوپر حد جاری کروانے کے لیے پلٹ پلٹ کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں آرہے ہیں۔ یہ بھی بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ کی تربیت کی ایک جہت ہے کہ گناہ کبیرہ بھی ہوگیا مگر ضمیر مردہ نہیں ہوا۔ احساس ہے کہ آخرت میں دوزخ کی آگ ہوگی، اُس سے بچنا چاہتے ہیں۔ یہ آقا علیہ السلام کی تعلیمات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کا عالم تھا۔

۳۔ آقا ﷺ کا شفقت بھرا رویہ اور طرزِ عمل بھی ملاحظہ کریں کہ گناہِ کبیرہ کا اقرار کرنے کے باوجود واپس بھیج رہے ہیں اور اقرار کرنے والے کے پاگل یا نشے میں ہونے کے گمان کے سبب اس کے اقرارِ جرم کو اہمیت نہیں دے رہے۔

۴۔ آپ ﷺ کو اس عورت کے پیٹ میں موجود ناجائز بچے کی زندگی کا بھی خیال ہے کہ اس حالت میں اس پر حد جاری کرنا نہ صرف اسے زیادہ تکلیف دے گا بلکہ اس کے پیٹ میں موجود بچہ بھی مرجائے گا اور جب بچہ پیدا ہوگیا تو پھر اس کے حقِ رضاعت کی وجہ سے اس پر حد جاری کرنے میں تاخیر فرمائی۔

۷۔ نامناسب الفاظ سے اجتناب کی نصیحت

حضور نبی اکرم ﷺ انسانی جذبات اور احساسات کا اس حد تک لحاظ اور خیال فرماتے کہ دوسروں کو نامناسب الفاظ سے پکارنے کی بھی ممانعت فرمائی۔ ایک شخص سے کوئی خطا سرزد ہو گئی تو اسے اس کی خطا کے مطابق سزا دے دی گئی۔ بعد ازاں اس کا والد اس کے بارے میں پوچھنے آیا کہ وہ شخص کہاں ہے جسے سزا دی گئی ہے۔ صحابہ کو معلوم نہ تھا کہ یہ سزا یافتہ شخص کا والد ہے۔ صحابہ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ شخص اُس خبیث (سزا یافتہ) کے بارے میں پوچھتا ہے۔

آقا علیہ السلام نے فرمایا: اُس کو خبیث نہ کہو، اللہ کے ہاں اُس کی خوشبو کستوری سے بھی زیادہ پیاری ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ کسی اور شخص نے کوئی گناہ کیا تو بعض لوگوں نے اسے کہا کہ اللہ تمہیں ذلیل و رسوا کرے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

اپنے بھائی کے لیے ایسے لفظ مت بولو۔ ایسے کلمات کہنے سے شیطان کی مدد ہوگی۔ بلکہ یوں کہو کہ اللہ تم پر رحم کرے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی نرمی و شفقت کا عالم یہ تھا کہ آپ ﷺ ہمیشہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرماتے کہ اگر کسی سے کچھ غلطی اور کوتاہی والا معاملہ ہوجائے تو مجھے آکر نہ بتایا کرو۔ عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا يُبَلِّغُنِي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِي شَيْئًا؛ فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَخْرُجَ إِلَيْكُمْ وَأَنَا سَلِيمُ الصَّدْرِ.

(أخرجه أحمد بن حنبل في المسند، ۱: ۳۹۵، الرقم ۳۷۵۹)

یعنی کسی سے اگر کم وبیشی کے کوئی معاملات ہوجائیں تو مجھے نہ بتایا کرو۔ میں جب تمہارے پاس تمہاری مجلس میں بیٹھنے کے لیے آتا ہوں تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں اِس حال میں آؤں کہ تم میں سے ہر ایک کے لیے میرا دل صاف ہو۔ یعنی کسی کی بُرائی کی بات سن کر میرے دل میں اُس کے لیے بوجھ نہ آجائے۔

۸۔ قبیلہ ہوازن سے غیر معمولی احسان

آقا علیہ السلام غزوہ حنین اور طائف کے بعد جب واپس جعرانہ کے مقام پر آئے تو تیرہ دن مالِ غنیمت اور قیدیوں کو تقسیم نہ فرمایا۔ جبکہ آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ مالِ غنیمت اور قیدیوں کو اگلے دن تقسیم کر دیتے تھے۔ تیرہ دن گزر گئے، اگر کوئی پوچھتا تو آقا علیہ السلام فرماتے کہ میں انتظار میں ہوں، شاید ہوازن کے لوگ اسلام قبول کرتے ہوئے آجائیں۔ اس لیے کہ جب قیدی اور اموالِ غنیمت تقسیم ہو جائیں تو جس جس کو جو مال ملتا ہے، وہ اُس کا مالک ہوجاتا ہے، پھر اس حوالے سے ریاست کے سربراہ کی اتھارٹی نہیں رہتی۔ تیرہ دن گزر گئے اور ہوازن کے لوگ نہ آئے تو آقا علیہ السلام نے قیدی اور اموالِ غنیمت تقسم فرما دیئے۔

اُس کے بعد ہوازن کے لوگ مسلمان ہو کر حاضر ہوئے اور حضور نبی اکرم ﷺ سے اپنے قیدی اور اموال واپس کرنے کی درخواست کی کہ مسلمان ہو کر آئے ہیں، اب آپ ﷺ ہم پر احسان کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تیرہ دن آپ کا انتظار کرتا رہا ہوں، جب میں نے سمجھا کہ اب آپ لوگ نہیں آنے والے تو میں نے قیدی اور اموال تقسیم کر دیئے ہیں، اب

لوگ اُن کے مالک بن گئے ہیں۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب تمھیں اپنے قیدیوں اور اموال میں سے ایک کا اختیار ہے، چاہو تو اموال واپس لے لو اور چاہو تو قیدی واپس لے لو۔ انھوں نے کہا: یارسول اللہ! مال کی پرواہ نہیں ہے، ہمیں قیدی واپس کر دیں۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا: جو کچھ میرے خاندان کے پاس ہے، میں وہ آپ کو واپس لوٹا دیتا ہوں، اُس کا اختیار میرے پاس ہے۔ دیگر قبائل میں سے جو جنگ میں شریک تھے، میں اُن سے آپ کو قیدی واپس لوٹانے کی صرف سفارش کرسکتا ہوں۔

اس اصل اور قاعدہ کو ہوازن کے لوگوں کو بتانے کے بعد آپ ﷺ نے شفقت اور آسانی کا اظہار فرماتے ہوئے ہوازن کے لوگوں کو اپنے قیدی واپس لینے کا طریقہ بھی سکھا دیا۔ چونکہ قیدی اور اموال کے مالک غزوہ میں شریک لوگ بن چکے تھے، ان سے کسی حکم کے تحت مال واپس نہیں لیا جاسکتا تھا مگر دوسری طرف ہوازن والوں پر رحمت کرنا بھی مقصود تھا لہذا انھیں اپنے قیدی واپس لینے کا طریقہ بھی سکھا دیا۔ آپ ﷺ نے اہلِ ہوازن سے فرمایا کہ کل نماز ظہر کے وقت اپنی اس گزارش کو اِن الفاظ میں لے کر میرے پاس آنا:

إِنَّا نَسْتَعِينُ بِرَسُولِ اللّٰهِ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ .

(أخرجہ النسائی فی السنن، باب ہبۃ المُشاعِ، الرقم ۳۶۸۸)

ہم رسول اللہ ﷺ سے مدد اور شفاعت طلب کرتے ہیں۔

تمہاری اس بات پر میں یہ کہوں گا کہ میں اپنے اور بنو عبدالمطلب کے سارے قیدی تمہیں واپس لوٹا دیتا ہوں اور باقی سب سے بھی سفارش کرتا ہوں کہ اگر دل چاہے اور راضی ہوں تو وہ بھی تمھارے قیدی لوٹا دیں۔ اگر وہ قیدی واپس نہیں کرتے تو میں پھر اُن سے قیدی بطورِ قرض لے کر تمھیں لوٹا دوں گا۔

اگلے دن نماز ظہر کے وقت ہوازن کے لوگ آئے اور کھڑے ہو کر جیسے آقا علیہ السلام نے سمجھایا تھا، وہ کلمات کہے۔ آقا علیہ السلام نے جواباً سب کے سامنے کہا کہ میں اپنے اور اپنے خاندان بنو عبدالمطلب کے سارے قیدی لوٹا رہا ہوں۔ لوگوں میں سے جن کا جی چاہے، خوشی سے لوٹا دے۔ انصار ومہاجرین کھڑے ہو گئے اور عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! ہم بھی قیدی واپس کرتے ہیں۔ نئے نئے مسلمان ہونے والے کچھ افراد رہ گئے، جنہوں نے کہا کہ ہم قیدی واپس نہیں کریں گے۔ اس پر آقا علیہ السلام نے اِن سے فرمایا کہ تم اپنے قیدی مجھے قرض دے دو، میں اِن کو دے دیتا ہوں اور اگلے غزوہ میں جو قیدی ملیں گے، میں یہ قرض تمہیں بہتر طریقے سے واپس کر دوں گا۔ چنانچہ اِن لوگوں نے بھی قیدی واپس کردیئے۔ اس طرح آقا علیہ السلام نے قبیلہ ہوازن کے چھ ہزار قیدی تقسیم ہونے کے بعد واپس لوٹا دیئے۔

یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی شفقت اور دوسروں پر رحمت و آسانی کی ایک خوبصورت مثال ہے کہ جہاں بطور حکمران اپنا اختیار نہ تھا وہاں سائلین کو ایسا طریقہ بغرضِ شفقت سمجھا دیا کہ سائلین کی مراد پوری ہوگئی حتی کہ اُن کے قیدی بطور قرض لے کر واپس لوٹا دیئے، صرف اس لیے کہ اہلِ ہوازن کی دل شکنی نہ ہو کہ ہم نے حضور ﷺ سے جو مانگا، ہمیں نہیں ملا۔

اخلاقِ مصطفیٰ ﷺ کو متعارف کروانا وقت کی اہم ضرورت

دستِ قدرت نے آپ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کا جو لازوال خاکہ تشکیل دیا ہے، آج اسے دنیا کے سامنے اجاگر کرنا ہی دانش مندی ہے۔ جدید دنیا کے مسائل کے حل کے لئے سیرتِ مصطفوی کو عام کرنا درحقیقت منشائے ایزدی پر عمل پیرا ہونا ہے۔ یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے امتِ مصطفوی ﷺ پر عائد کر دی ہے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو دین کے اس مجسم پیغام کو دنیا کے سامنے رکھے اور انہیں دعوتِ فکر دے تاکہ یہ سلگتی، بدحال اور ستم کشیدہ انسانیت سکھ اور سکون کا سانس لے سکے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی سیرت طیبہ میں کرم، عفو ودرگزر، معاف کرنے، شفقت، نرمی، احسان، جود وسخا اور حسنِ سلوک کے پہلو میں کسی بھی موقع پر کمی نہیں آنے دی۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اپنی زندگی کے ہر قدم پر حضور نبی اکرم ﷺ کے اخلاقِ عظیمہ کے اِن پہلوؤں پر دل و جاں سے عمل پیرا ہوں۔ اللہ رب العزت ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے اور ہماری سیرتوں کو سیرت محمدی ﷺ کے فیض سے منور فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔ ❀❀❀❀❀❀

الفقہ: آپ کے فقہی مسائل

جشنِ عید میلاد النبی ﷺ: آداب اور تقاضے

لذتِ ایمان کے حصول اور اللہ سے تعلقِ عبودیت قائم کرنے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غیر مشروط محبت اساسِ ایمان ہے

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن، زیرنگرانی: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: کیا جشنِ میلاد النبی ﷺ منانا بدعت ہے؟

جواب: حضور تاجدارِ کائنات ﷺ روحِ ایمان ہیں۔ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے رشتۂ محبت اُستوار کیے بغیر نہ تو لذتِ ایمان نصیب ہوسکتی ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے تعلقِ عبودیت قائم ہوسکتا ہے۔ آپ ﷺ خالقِ کائنات تک پہنچنے کا واحد اور لازمی واسطہ ہیں، لہٰذا سینے میں آپ ﷺ کی اُلفت و رحمت کے چراغ فروزاں کیے بغیر جادۂ مستقیم پر گامزن نہیں ہوا جا سکتا۔

یہ ایک اَلمیہ ہے کہ بعض لوگ ظاہر بینی سے کام لیتے ہوئے چھوٹی چھوٹی باتوں کو کفر و ایمان کا مسئلہ بنا لیتے ہیں اور دین کی اَصل روح اور کارفرما حکمت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ظاہر پرست علماء محافلِ میلاد اور جشنِ میلاد کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے صرف اِس لیے اِسے ناجائز قرار دیتے ہیں کہ اِس قسم کی محافل اور جشن کی تقاریب اَوائلِ اسلام میں منعقد نہیں ہوئیں۔ حالانکہ لغت کی رُو سے نئے اُمورِ خیر کو بدعت کہنا صحیح ہے لیکن صرف بدعت کہہ کر اِنہیں ہدفِ تنقید بنانا اور ناپسندیدہ قرار دینا تنگ نظری اور ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں۔ ہر دور میں ہر چیز کی ہیئت وصورت حالات کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ اس میں کئی جدتیں اور عصری تقاضے شامل ہوتے رہتے ہیں مگر ان کی ہیئت اَصلیہ میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

بدعت کے حوالے سے یہ امر ذہن میں رہے کہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ کوئی بھی کام (خواہ وہ نیک اور احسن ہی کیوں نہ ہو) مثلاً اِیصالِ ثواب، میلاد اور دیگر سماجی، روحانی اور اخلاقی اُمور، اگر اُن پر قرآن و حدیث سے کوئی نص موجود نہ ہو تو بدعت اور مردود ہیں۔ یہ مفہوم سراسر غلط اور مبنی بر جہالت ہے کیونکہ اگر یہ معنی لیا جائے کہ جس کام کے کرنے کا حکم قرآن وسنت میں نہ ہو وہ حرام ہے تو پھر شریعت کے جملہ جائز امور کا حکم کیا ہوگا کیونکہ مباح تو کہتے ہی اسے ہیں جس کے کرنے کا شریعت میں حکم نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ مردود فقط وہی عمل ہوگا جو نیا بھی ہو اور جس کی کوئی اصل، مثال یا دلیل بھی دین میں نہ ہو اور کسی جہت سے بھی تعلیماتِ دین سے ثابت نہ ہو۔ پس اس وضاحت کی روشنی میں کسی بھی بدعت کے گمراہی قرار پانے کے لئے دو شرائط کا ہونا لازمی ہے:

۱۔ دین میں اس کی سرے سے کوئی اصل، مثال یا دلیل موجود نہ ہو۔

۲۔ نہ صرف دین کے مخالف اور متضاد ہو بلکہ دین کی نفی کرے اور احکامِ سنت کو توڑے۔

ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بدعت کا اِصطلاحی مفہوم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

محدثہ امور سے مراد ایسے نئے کام کا ایجاد کرنا ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو۔ اسی محدثہ کو اِصطلاحِ شرع میں بدعت کہتے ہیں۔ لہٰذا ایسے کسی کام کو بدعت نہیں کہا جائے گا جس کی اصل شریعت میں موجود ہو یا وہ اس پر دلالت کرے۔ شرعی اعتبار سے بدعت فقط بدعتِ مذمومہ کو کہتے ہیں

لغوی بدعت کو نہیں۔ پس ہر وہ کام جو مثالِ سابق کے بغیر ایجاد کیا جائے اسے بدعت کہتے ہیں چاہے وہ بدعتِ حسنہ ہو یا بدعتِ سیئہ۔ (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۳: ۲۵۳)

پس معلوم ہوا کہ ہر وہ نیا کام جس کی کوئی شرعی دلیل، شرعی اصل، مثال یا نظیر پہلے سے کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ میں موجود نہ ہو وہ بدعت ہے، لیکن ہر بدعت غیر پسندیدہ یا ناجائز و حرام نہیں ہوتی بلکہ صرف وہی بدعت ناجائز ہوگی جو کتاب و سنت کے واضح احکامات سے متصادم ہو۔

جشنِ میلاد النبی ﷺ کی موجودہ صورت اپنی اَصل کے اِعتبار سے حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے۔ جس طرح ہم محافلِ میلاد میں حضور ﷺ کے لیے نعت کا اہتمام کرتے ہیں، آپ ﷺ کے فضائل و کمالات بیان کرتے اور مختلف انداز میں سیرتِ طیبہ کا ذکر کرتے ہیں، جو فی الواقعہ ہمارے جشنِ میلاد منانے کا مقصد ہے، اِسی طرح کی محفلیں جن میں حضور نبی اکرم ﷺ کے فضائل و کمالات کا ذکر ہوتا تھا، عہدِ نبوی ﷺ میں بھی منعقد ہوتی تھیں اور آپ ﷺ محفل میں تشریف فرما ہوتے تھے حتی کہ اپنی محفلِ نعت خود منعقد کرواتے تھے۔ اس سے یہ اَمر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ میلاد النبی ﷺ منانا بدعتِ ممنوعہ نہیں بلکہ ایک مباح، مشروع اور قابلِ تحسین اور عملِ خیر ہے۔

سوال: جشنِ عید میلاد النبی ﷺ کے منانے کا درست اور جائز طریقہ کیا ہے؟

جواب: جشنِ میلاد النبی ﷺ کا اِہتمام کرنا یقیناً مستحسن اور باعثِ اَجر و ثواب عمل ہے لیکن اِس موقع پر اگر اِنعقادِ میلاد کے بعض قابلِ اِعتراض پہلوؤں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اُنہیں برقرار رہنے دیا جائے تو ہم میلاد النبی ﷺ کے فیوض و برکات سے محروم رہیں گے۔ جب تک اس پاکیزہ جشن میں طہارت، نفاست اور کمال درجہ کی پاکیزگی کا خیال نہیں رکھا جائے گا سب کچھ کرنے کے باوجود اِس سے حاصل ہونے والے مطلوبہ ثمرات سمیٹنا تو درکنار ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرّم ﷺ کی ناراضی مول لیں گے۔ محفلِ میلاد ہو یا جلوسِ میلاد، یہ سارا اِہتمام چونکہ حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی کے سلسلہ میں ہوتا ہے، لہٰذا اس کا تقدس برقرار رکھنا اُسی طرح ضروری ہے جس طرح حضور نبی اکرم ﷺ کی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں آپ ﷺ کی مجلس کے آداب ملحوظ رکھے جاتے تھے۔ پوری کوشش ہونی چاہیے کہ ماحول کی پاکیزگی کو خرافات اور خلافِ شرع بے ہودہ کاموں سے آلودہ نہ ہونے دیں۔

اِس کے ساتھ ساتھ جشنِ میلاد کے موقع پر محفلیں منعقد کرنا اور صدقہ و خیرات کرنا، جانی و مالی، علمی و فکری غرضیکہ ہر قسم کی قربانی کا جذبہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے حبیبِ مکرم ﷺ کی خوشنودی کے حصول کے لیے ہونا چاہیے۔ احادیثِ مبارکہ میں ہے کہ صبح و شام حضور ﷺ پر درود و سلام کے علاوہ آپ ﷺ کی اُمت کے دوسرے نیک و بد اَعمال بھی آپ ﷺ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ اچھے کام دیکھ کر خوشی کا اظہار فرماتے ہیں اور برائی دیکھ کر ناراضگی اور اَفسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ہماری یہ میلاد کی خوشیاں بھی حضور ﷺ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ اگر ان میں صدق و اخلاص شامل نہیں ہوگا تو حضور ﷺ کو ہماری ایسی محفلوں کے انعقاد سے کیا مسرت ہوگی؟ اور اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں اپنے محبوب ﷺ کی خاطر کی جانے والی اس تقریب کو کیوں کر شرفِ قبولیت سے نوازے گا؟ یہ ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

صدقہ و خیرات میں کثرت اور اِظہارِ مسرت کے لیے بڑے بڑے جلسے جلوس اُس بارگاہ میں باعثِ شرف و قبولیت نہیں جب تک کہ ظاہری عقیدت میں اخلاصِ باطن اور حسنِ نیت شامل نہ ہو۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی سچی محبت اور ادب و تعظیم ہی ہمارے ہر عمل کی قبولیت کی اَوّلیں شرائط میں سے ہیں۔

بدقسمتی سے آج اُمتِ مسلمہ دو بڑے طبقوں میں بٹ گئی ہے:

۱۔ ایک طبقہ جشنِ میلاد النبی ﷺ کو سرے سے ناجائز، حرام اور بدعت کہہ کر اِس کا اِنکار کر رہا ہے۔

۲۔ دوسرا طبقہ میلاد کے نام پر (الا ما شاء اللہ) ناجائز اور فحش کام سرانجام دینے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔ اُنہوں نے کچھ غیر شرعی اُمور کو داخلِ میلاد کر کے میلاد النبی ﷺ کے پاکیزہ تصور کو بدنام اور تقدس کو پامال کر دیا ہے۔

ضرورت اِس اَمر کی ہے کہ اِفراط و تفریط سے بچتے ہوئے اِن انتہاء پسند رویوں کے بین بین اِعتدال پسندی کی روش اِختیار کی جائے۔

اسی طرح ہم نے میلاد اور سیرت کے نام پر مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ کوئی صرف میلاد کا داعی بن گیا اور کوئی صرف سیرت کا نام لیوا۔ میلاد کا نام لینے والا سیرت سے کتراتا ہے اور سیرت کا داعی میلاد کو ناجائز کہہ کر اپنی دانش وری اور بقراطیت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یہ سوچ ناپید ہے کہ اگر میلاد نہ ہوتا تو سیرت کہاں سے ہوتی اور اگر سیرت کے بیان سے اِحتراز کیا تو پھر میلاد کا مقصد کیسے پورا ہوسکتا ہے؟ بیانِ میلاد اور بیانِ سیرت دونوں حضور ﷺ کے ذکر کے طریقے ہیں۔ دونوں ایک شمع کی کرنیں ہیں۔ میلاد کو نہ تو بدعت اور حرام کہہ کر ناجائز سمجھیں اور نہ اس کے پاکیزہ ماحول کو خرافات سے آلودہ کیا جائے۔

میلاد النبی ﷺ منانے کے لئے ہر وہ کام سر انجام دینا شرعی طور پر جائز ہے جو خوشی و مسرت کے اظہار کے لئے درست اور رائج الوقت ہو۔ میلاد کی روح پرور تقریبات کے سلسلے میں انتظام وانصرام کرنا۔۔۔ درود وسلام سے مہکی فضاؤں میں جلوس نکالنا۔۔۔ محافل میلاد کا انعقاد کرنا۔۔۔ نعت یا قوالی کی صورت میں آقا ﷺ کی شان اقدس بیان کرنا اور عظمت مصطفیٰ ﷺ کے چرچے کرنا۔۔۔ سب قابل تحسین، قابل قبول اور پسندیدہ اعمال ہیں۔ ایسی مستحسن اور مبارک محافل کو حرام قرار دینا حقائق سے لاعلمی، ضد اور ہٹ دھرمی کے سواء کچھ نہیں ہے۔

کتب سیر واحادیث میں حضور نبی اکرم ﷺ کا ہجرت کے بعد مدینہ منورہ آمد کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے:

فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ فَوْقَ الْبُيُوتِ وَتَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخَدَمُ فِي الطُّرُقِ يُنَادُونَ: يَا مُحَمَّدُ! يَا رَسُولَ اللهِ! يَا مُحَمَّدُ! يَا رَسُولَ اللهِ! (مسلم، الصحیح، ۴: ۲۳۱، رقم ۲۰۰۹)

مرد اور عورتیں گھروں پر چڑھ گئے اور بچے اور خدام راستوں میں پھیل گئے، سب نعرے لگا رہے تھے یا محمد! یا رسول اللہ! یا محمد! یا رسول اللہ!

امام رویانی، ابن حبان اور امام حاکم کی روایات کے مطابق اہالیان مدینہ جلوس میں یہ نعرہ لگا رہے تھے:

جَاءَ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم.

اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لے آئے ہیں۔

(رویانی، المسند، ۱: ۱۳۸، رقم ۳۲۹)

معصوم بچیاں اور اوس وخزرج کی عفت شعار دوشیزائیں دف بجا کر دل وجان سے محبوب ترین اور عزیز ترین مہمان کو ان اشعار سے خوش آمدید کہہ رہی تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا
مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا
مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ
اَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِيْنَا
جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

''ہم پر وداع کی چوٹیوں سے چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا، جب تک لوگ اللہ کو پکارتے رہیں گے، ہم پر اس کا شکر واجب ہے۔ اے ہم میں مبعوث ہونے والے نبی! آپ ایسے اَمر کے ساتھ تشریف لائے ہیں جس کی اِطاعت کی جائے گی۔'' (ابن ابی حاتم رازی، الثقات، ۱: ۱۳۱)

حضور نبی اکرم ﷺ کی مدینہ آمد پر مذکورہ بالا اشعار کا پڑھا جانا محبّ طبری، امام بیہقی، ابن حجر عسقلانی، ابن کثیر، علامہ عینی، امام قسطلانی، امام زرقانی، احمد زینی دحلان کے علاوہ بھی دیگر محدثین، مؤرخین اور سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے۔

مدینہ طیبہ میں رسول اکرم ﷺ کی آمد کے وقت آپ کے استقبال کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے یہ آپ ﷺ کے سامنے ہوئی مگر آپ ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ اس لیے آپ ﷺ کی دنیا میں آمد کی خوشی منانا، آپ کے مناقب و محاسن بیان کرنا اور جلسے جلوس کا اہتمام کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ باعثِ اجر وثواب ہے۔

اس موضوع پر مزید مطالعہ کے لیے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف میلاد النبی ﷺ ملاحظہ کیجیے۔

❁❁❁❁❁

بعثتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روئے زمین پر موجود مخلوق میں سے اعلیٰ ترین اور بندوں میں سے نفیس ترین ہیں

ڈاکٹر نعیم انور نعمانی

ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ. (التوبۃ، ۹: ۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول ﷺ تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لیے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لیے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔‘‘

قرآن حکیم نے اس آیت کریمہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کو ’’مِنْ اَنْفُسِكُمْ‘‘ کے ساتھ خاص کیا ہے کہ نبی آخرالزماں، سیدالمرسلین، امام الانبیاء خاتم النبیین ﷺ کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کا تم پر فضل و احسان ہے مگر اس فضل کا انتخاب باری تعالیٰ نے تمہارے لیے مِنْ اَنْفُسِكُمْ کی شان کے ساتھ کیا ہے کہ یہ رسول ﷺ تم میں سے ہیں۔

☆ ابوالليث سمرقندی اس آیت کا ایک معنیٰ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک قرأتِ قرآن کے مطابق مِنْ اَنْفُسِكُمْ کو مِنْ اَنْفَسِكُمْ کلمہ ف کی زبر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس اعتبار سے اس آیت کا معنی یہ ہوگا:

ہم نے تمہاری طرف اس رسول مکرم و محتشم ﷺ کو بھیجا ہے جو روئے زمین پر موجود مخلوق میں سے اعلیٰ ترین مخلوق اور اللہ کے بندوں میں سے نفیس ترین بندے ہیں۔ گویا ساری کائنات کے اعلیٰ نفوس میں سے اس ارفع و افضل نفس کو تمہاری طرف بھیجا ہے۔ گویا مذکورہ آیت اللہ رب العزت کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی انتہائی مدح و تعریف کو بیان کررہی ہے۔ (تفسیر سمرقندی، ج۲، ص۱۰۰،۱۰۱)

☆ ایک اور مقام پر مِنْ اَنْفُسِكُمْ کو مِنْ اَنْفُسِهِمْ کی صورت میں بھی قرآن نے بیان کیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ. (آل عمران، ۳: ۱۶۴)

بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول ﷺ بھیجا۔

اس آیت مبارکہ کے پہلے حصے میں حضور نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا احسانِ عظیم قرار دیا کہ اس رسول ﷺ کو میں نے اپنی کل کائنات میں سے منتخب کرکے سیدالمرسلین کا اعزاز عطا کرکے تمہاری طرف مبعوث کیا ہے اور یہ میرا تمہارے اوپر احسانِ عظیم ہے۔ میں رب العالمین ہوکر اپنی شانِ بے نیازی کی وجہ سے کسی احسان کو جتلاتا نہیں مگر میرے خزانہ نعمت میں سے سب سے بڑی نعمت میرا یہ رسول ﷺ ہے، اس رسول ﷺ کو میں نے تمھیں عطا کیا ہے۔

☆ آیتِ مبارکہ میں مِّنْ اَنْفُسِهِمْ کے الفاظ اس امر کی جانب اشارہ ہیں کہ اہلِ عرب بالخصوص اہلِ مکہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنے میں سے ہونے کے سبب اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ آپ ﷺ

کے مقام و مرتبہ اور صدق و امانت سے بھی خوب واقف ہیں۔ وہ آپ ﷺ کے ساتھ ہر طرح کی دشمنی و عداوت کے باوجود آپ ﷺ کے کردار پر کوئی تہمت بھی نہیں لگا سکتے کیونکہ آپ ﷺ ان ہی میں سے ہیں اور ان لوگوں کی نظروں سے آپ ﷺ کا حسب و نسب اور سیرت و کردار پوشیدہ نہیں ہے۔

مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ کی ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ عرب کا کوئی بھی قبیلہ ایسا نہیں جس میں حضور ﷺ کی قرابت اور رشتہ داری نہ ہو۔ عرب کے ہر قبیلے سے رسول اللہ ﷺ کا کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔ (تفسیر درمنثور، ۴: ۳۲۷)

☆ قرآن مجید نے یہود کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی جان پہچان اس حد تک رکھتے تھے جیسے اپنی اولاد کو جانتے اور پہچانتے تھے۔ ان کی یہ جان اور پہچان آپ ﷺ کے منصبِ نبوت و رسالت کے حوالے سے تھی۔ انہوں نے آپ ﷺ کے وجودِ اقدس میں ان تمام علاماتِ نبوت و رسالت کو آفتاب و ماہتاب کی طرح روشن دیکھ اور جان لیا تھا جن کے متعلق انھوں نے اپنی الہامی کتب میں بھی پڑھ رکھا تھا۔

اس لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا يَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ وَاِنَّ فَرِيۡقًا مِّنۡهُمۡ لَيَكۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ. (البقرہ، ۲: ۱۴۶)

اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے وہ اس رسول (آخر الزماں حضرت محمد ﷺ اور ان کی شان و عظمت) کو اسی طرح پہچانتے ہیں جیسا کہ بلاشبہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اور یقیناً انہی میں سے ایک طبقہ حق کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے اوّل الذکر آیت (التوبہ: ۱۲۸) میں حضور نبی اکرم ﷺ کے نفیس ترین اور اعلیٰ ترین مخلوق ہونے اور مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ کے مصداق آپ ﷺ کی سیرت و کردار کی گواہی اہلِ عرب سے ہی دلوا کر پھر آپ ﷺ کے دیگر محامدِ کثیرہ اور اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ کیا ہے۔ لوگوں کے اسلام قبول کرنے اور ان کے ہدایت پانے سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی شدید حرص و خواہش کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہاں تک کہ ان سب کو دنیا میں جو تکالیف و پریشانیاں پہنچتی ہیں یا آخرت میں پہنچیں گی، ان تکالیف و مصائب پر رسول اللہ ﷺ کے قلبِ اطہر پر مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ کی بنا پر جو تکلیف گزرتی ہے، اس کا تذکرہ کیا ہے اور بطورِ خاص اہلِ ایمان اور اہلِ صدق کے لیے رسول اللہ ﷺ کی لطف و مہربانی، رحمت و کرم نوازی، دلجوئی اور عزت افزائی کا ذکر ''**بالمومنین رؤوف الرحیم**'' کے الفاظ میں کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ حسب و نسب میں ممتاز ہیں

حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہ ﷺ سے مِنۡ اَنۡفُسِكُمۡ کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

نسباً و صهراً وحسباً ليس فی ولا آبائی من لدن ادم سفاح كلها نكاح. (الدرالمنثور، ۶: ۳۲۷)

آپ ﷺ نے اس حدیث مبارکہ کے ذریعے خود ''مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ'' کی وضاحت میں تین صورتیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ میرا نسب تمہارے اندر موجود ہے، تم مجھے نسب کے اعتبار سے بھی اچھی طرح جانتے ہو۔

۲۔ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ کی دوسری صورت صِهۡرًا ہے۔ یعنی میرے سسرال کے اعتبار سے بھی تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔

۳۔ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ کی تیسری صورت میرا حسب ہے یعنی میرا حسب بھی تمہارے سامنے ہے، میرا لڑکپن، میری نوجوانی، میری جوانی، میرے شب و روز، میرا سیرت و کردار، میرے معمولات و معاملات الغرض میری زندگی کا ہر پہلو تم پر عیاں ہے اور پھر فرمایا: میرے اباء و اجداد میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک زنا نہیں ہوا بلکہ سب کے سب نکاح سے پیدا ہوئے۔

☆ آپ ﷺ نے اپنے اس نسب اور حسب کو اپنی نبوت کی دلیل کے طور پر بھی بیان فرمایا کہ میں اپنے نسب وحسب کو اپنی نبوت کی علامات میں سے ایک علامت اور ایک شہادت بناتا ہوں:

فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِيۡكُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ.

بے شک میں اس (قرآن کے اترنے) سے قبل (بھی) تمہارے اندر عمر (کا ایک حصہ) بسر کر چکا ہوں، سو کیا تم عقل نہیں رکھتے۔ یونس، ۱۰: ۱۶)

یعنی جس نے میرے نسب وحسب کو اچھی طرح جان لیا، وہ ایمان کی نعمت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس لیے کہ میرا حسب

وہ ہے جو انسانی عقل کو اپیل کرتا ہے، میرا حسب ہی انسان کو میرے منصبِ نبوت کی بصیرت اور فراست عطا کرتا ہے۔ میں اپنے حسب میں بھی تم میں سے سب سے بڑھ کر ہوں اور اسی طرح اپنے نسب میں بھی افضل ترین ہوں۔ میرے نسب میں بھی ہر ایک پاک ہی پاک ہے۔ ہر ایک کا تولد نکاح سے ہوا ہے اور میرے کل نسب میں زنا نہیں ہے۔

☆ اللہ رب العزت کے فرمان: وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ۔ (الشعراء، ۲۶: ۲۱۹) اور سجدہ گزاروں میں (بھی) آپ کا پلٹنا دیکھتا (رہتا) ہے کے حوالے سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

آپ کے نسب میں سارے کے سارے رب کے عبادت گزار اور سجدہ ریزیاں کرنے والے تھے۔ یہ تقلّب کا عمل اس طرح ہوا کہ: من نبی الی نبی ومن نبی الی نبی حتی اخرجك نبیا. (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۲۴)

ایک نبی سے دوسرے نبی تک آپ کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک آپ کو منصبِ نبوت سے سرفراز کیا۔

حضور ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا، احسانِ الٰہی کا تسلسل ہے

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کو ''مِّنْ اَنْفُسِكُمْ'' اور ''مِّنْ اَنْفُسِهِمْ'' کے پیرائے میں بیان فرما کر جہاں ہمارے اوپر احسانِ عظیم فرمایا وہاں اسی سلسلۂ احسان کو آگے بڑھاتے ہوئے آپ ﷺ کے وجودِ اقدس کو نہ صرف ہمارے لیے بلکہ کل جہاں کے لیے سراپا رحمت بنایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

اور (اے رسولِ محتشم ﷺ!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔ (الانبیاء، ۲۱: ۱۰۷)

کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا آپ ﷺ کی حیاتِ اقدس تک محدود تھا اور آج ہمارے لیے بالخصوص وصال کے بعد کے تمام زمانوں کے لیے (معاذ اللہ) آپ ﷺ رحمت نہیں رہے۔ اس حوالے سے وضاحت بھی رسول اللہ ﷺ نے خود فرما دی اور ارشاد فرمایا:

حیاتی خیرلکم ومماتی خیرلکم۔

(کنزالعمال، ج ۱۲، ص ۱۸۹، الرقم: ۳۵۴۷)

میری یہ ظاہری حیات بھی تمہارے لیے رحمت ہے اور میرا وصال بھی تمہارے لیے رحمت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ حدیث مبارکہ کی تصریح میں مزید ارشاد فرمایا:

ان اللہ عزوجل اذا اراد رحمة امة من عباده قبض نبیها قبلها فجعله لها فرطا وسلفا بین یدیها.

(مسلم، الصحیح، ۴: ۱۷۹۱، الرقم: ۲۲۸۸)

جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر رحم کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے اس امت کے نبی کی روح قبض کرتا ہے۔ اس کے بعد ان پر حال اور مستقبل میں مہربانی فرماتا ہے۔

گویا اس حدیث مبارکہ نے اس حقیقت کو آشکار کردیا ہے کہ تمام عالمین کے لیے رسول اللہ ﷺ کی حیات بھی خیر ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ممات بھی خیر ہے۔ پس اتنی بات ہے کہ ہم ہر حال میں اور ہر زمان و مکان میں اپنے نبی ﷺ سے وابستہ رہیں۔

☆ فقیہ ابواللیث سمرقندی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ ہر ہر عالم کے لیے رحمت ہیں:

۱۔ اہلِ ایمان کے لیے آپ ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونے کا معنی یہ ہے کہ سب کو آپ ﷺ کی رحمت کے سبب ہی ہدایت ملی ہے۔ گویا اہلِ ایمان کے حق میں آپ ﷺ کی رحمت سے مراد ہدایت ہے کہ انھیں ہدایت رسول اللہ ﷺ کی رحمت سے میسر آئی ہے۔

۲۔ منافقین کے لیے آپ ﷺ کے رحمت ہونے سے مراد یہ ہے کہ منافقین آپ ﷺ کی رحمت کے باعث قتل کیے جانے سے محفوظ ہوگئے۔

۳۔ کافروں کے لیے آپ ﷺ کی رحمت کا معنی یہ ہے کہ ان کے عذابِ دنیوی میں تاخیر کردی گئی۔ اب وہ اس دنیا میں عذابِ دنیوی اور عذابِ عام سے محفوظ کردیئے گئے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس مومنین اور کفار سب کے لیے رحمت ہے۔ اس لیے کہ جس طرح پچھلی امتوں میں سے جنہوں نے اپنے

اپنے نبی کی تکذیب کی، ان پر دنیوی عذاب آیا تھا مگر رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کے رحمۃ للعالمین ہونے کی وجہ سے اللہ رب العزت نے اس عذاب کو آپ ﷺ کی امتِ دعوت اور امتِ اجابت سے اٹھا لیا ہے اور یہ لوگ اس عذابِ دنیوی سے آپ ﷺ کی رحمت کے سبب محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔

اسی لیے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ. (الانفال،۸:۳۳)

اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر عذاب فرمائے درآنحالیکہ (اے حبیبِ مکرّم ﷺ!) آپ بھی ان میں (موجود) ہوں۔

☆ ایک روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل امین سے پوچھا کہ اے جبرائیل! کیا تمھیں بھی میری رحمت سے کچھ حصہ ملا ہے؟ جبرائیل امین نے عرض کی: ہاں، یارسول اللہ ﷺ آپ کی رحمت سے مجھے بھی ایک حصہ ملا ہے:

كنت اخشى العاقبة فامنت لثناء الله عزوجل على في القرآن بقوله ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ. (سیرت حلبیہ، ج۱،ص۳۷۲)

میں اپنے انجام آخرت سے ڈرتا تھا یہاں تک اللہ تعالیٰ نے میری مدح میں یہ آیۂ کریمہ (التکویر:۲۰۔۲۱) آپ ﷺ پر نازل فرمائی: جوقوت والا ہے، مالکِ عرش کے حضور عزت والا ہے، اس کا حکم مانا جاتا ہے، امانت دار ہے۔ جب سے یہ آیۂ کریمہ آپ ﷺ پر اللہ نے نازل فرمائی ہے تو اب میں سکون سے ہوں۔

خلاصۂ کلام

حضرت جعفر بن محمد ؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق براہِ راست اس کی اطاعت کرنے سے عاجز ہے تو اس نے اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان ایک واسطہ بنایا اور اس واسطے کو بندوں کی جنس سے بنایا تاکہ ان کی آپس میں مطابقت اور موافقت ہوجائے۔ اس واسطے اور وسیلے کو انبیاء کرام علیہم السلام کا نام دیا۔ یہ انبیاء علیہم السلام کا طبقہ مخلوقِ خدا پر نہایت مہربان ہے، ان پر لطف وکرم کرنے والا ہے، اللہ نے انھیں اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان سفیر بنایا ہے اور انھیں اپنے پیغامات بندوں تک پہنچانے کے لیے پیامبر بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے ان کی فرمانبرداری کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور ان کی پیروی کو اپنی محبت قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (النساء،۴:۸۰)

جس نے رسول ﷺ کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا۔

مزید فرمایا کہ ان کی اطاعت جہاں میری اطاعت ہے، وہاں ان کی پیروی ہی میری محبت کی نشانی ہے۔ ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ.

(اے حبیب ﷺ!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا۔ (آل عمران،۳:۳۱)

قرآن حکیم کی متعدد آیات میں رسول اللہ ﷺ کے اوصاف وکمالات اور آپ ﷺ کے فضائل ومناقب کو بیان کیا گیا ہے، جنھیں پڑھنے اور سمجھنے سے قلب و روح میں آپ ﷺ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور یہی محبت اطاعت کی بنیاد ہے۔ محبت کی حیثیت ایک بیج اور جڑ کی ہے جبکہ اطاعت و اتباع کی حیثیت ایک درخت کے تنے، شاخوں اور پھل کی ہے۔ پس جس قدر اچھا بیج اور مضبوط جڑ ہوگی، اسی قدر ایمان کے درخت کا تنا اور شاخیں مضبوط ہوں گی اور جڑ کا اثر جس قدر پورے درخت میں ہوگا، اسی قدر اس کا اثر اس کے پھل میں نظر آئے گا۔

ایمان کے باب میں رسول اللہ ﷺ کی محبت جڑ ہے اور درخت کا تنا، شاخیں اور پھل ہمارے اعمال، اقوال، اخلاق اور افعال ہیں۔ ایک مسلمان کا ایمان بالرسالت کا کل اثاثہ محبتِ رسول ﷺ اور اطاعت و اتباعِ رسول ﷺ ہے۔ باری تعالیٰ ان قرآنی افکار پر ہمیں عمل پیرا ہونے اور ان اعمالِ حسنہ کو اپنی زندگی میں اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

❁❁❁❁❁

نبئ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اندازِ دعوت و تبلیغ

خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں آپ ﷺ نے ایک لاکھ 24 ہزار صحابہ کرام کے روبرو فرمایا: اے اللہ گواہ رہنا میں نے تیرا پیغام تیرے بندوں تک پہنچانے کا حق ادا کر دیا ہے

ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ ☆

عربی لغت کی معروف کتاب ''لسان العرب'' کے مطابق تبلیغ کا لغوی معنی پہنچانا ہے اور اصطلاح میں اس کے معانی یہ ہیں کہ کسی اچھائی اور خوبی بالخصوص دینی امور (اسلام) کو دوسرے افراد و اقوام تک پہنچایا جائے اور قبول کرنے کی دعوت دی جائے۔ تبلیغ کا صیغہ باب ''تفعیل'' سے ہے جس کا ایک خاصہ ''مبالغہ'' بھی ہے۔ لہٰذا اس کے مفہوم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ مخاطب تک دین کی بات ایسے انتہائی عمدہ اور دلنشین طریقے سے پہنچانا کہ اس کے دل و دماغ میں اثر انداز ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

یہ تبلیغ یا دینِ اسلام کی دعوت رسول اکرم ﷺ کا فرضِ منصبی تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

''اے (برگزیدہ) رسول ﷺ! جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے (وہ سارا لوگوں کو) پہنچا دیجیے، اور اگر آپ نے (ایسا) نہ کیا تو آپ نے اس (ربّ) کا پیغام پہنچایا ہی نہیں، اور اللہ (مخالف) لوگوں سے آپ (کی جان) کی (خود) حفاظت فرمائے گا۔'' (المائدہ، ۵: ۶۷)

رسولِ مقبول ﷺ نے اپنے اس فرضِ منصبی یعنی فریضۂ تبلیغ و رسالت کو 23 سال تک جس بے نظیر ثابت قدمی، جانفشانی، بلند ہمتی، تسلسل اور دن رات کی انتھک محنت، درد مندی، صبرو برداشت اور استقلال سے ادا فرمایا، اس کی مثال پیغمبرانہ اور مذہبی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اعلانِ نبوت کے پہلے دن سے لے کر وصال تک آپ ﷺ کو جس چیز کا سب سے زیادہ احساس رہا اور جس چیز نے آپ ﷺ کو دن رات بے قرار کیے رکھا اور جس غم نے آپ ﷺ کو ہمیشہ پریشان کیے رکھا وہ یہی دعوت و تبلیغِ رسالت کا فریضہ تھا۔ آپ ﷺ نے اس ہدایتِ ربانی اور آئینِ آسمانی کے موافق امت کو ہر چھوٹی بڑی چیز کی تبلیغ کی۔ حکومت اور حکمرانی کے امور سے لے کر عام جسمانی غسل و طہارت تک کے آداب اپنی امت کو سکھائے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی رحمتِ عالم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

انما انا لکم مثل الوالد اعلمکم اذا ذهب احدکم الی الخلاء فلا یستقبل القبلة ولا یستدبرها ولا یستجی بیمینه وکان یامر بثلثة احجار وینهی عن الروث والرمة. (سنن نسائی، کتاب الطہارۃ باب النہی عن الاستطابۃ بالروث، ۱/ ۲۷، رقم ۴۰)

''بے شک میں تمہارے لیے باپ کی مانند تمہیں تعلیم دیتا (ہر چیز سکھاتا) ہوں۔ تو جب تم میں سے کوئی ایک بیت الخلاء میں جائے تو اسے چاہیے کہ وہ نہ قبلہ کی طرف منہ کرے اور نہ اس کی

☆ سابق مدیر مسئول مجلّہ ''المنہاج'' دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

طرف پیٹھ کرے، نہ اپنے دائیں ہاتھ سے استنجا کرے۔ آپ ﷺ استنجا کے لیے تین پتھر/ ڈھیلے استعمال کرنے کا حکم دیتے تھے اور استنجا میں گوبر اور بوسیدہ ہڈیوں کے استعمال سے منع فرماتے تھے۔‘‘

اسی طرح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مشرک آدمی نے ان سے استہزاء ٹھٹھا کرتے ہوئے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارا صاحب (پیغمبر) تمہیں ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے حتیٰ کہ قضائے حاجت کرنے کی بھی۔ تو میں نے (بڑے فخر سے) کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کریں، اپنے دائیں ہاتھوں سے استنجا نہ کریں اور استنجا کے لیے تین پتھروں/ ڈھیلوں سے کم پر اکتفا نہ کریں جس میں گوبر ہو اور نہ ہڈی۔

(سنن نسائی، کتاب الطهارة باب النهی عن الاکتفاء فی الاستطابة باقل من ثلثة احجار، ۱/ ۲۷، رقم الحدیث ۴۱)

الغرض نوعِ انسانی کے عوام و خواص میں سے جو بات جس طبقہ کے لائق اور جس کی استعداد کے مطابق تھی، آپ ﷺ نے بلاکم و کاست اور بے خوف و خطر پہنچا کر خدا کی حجت اس کے بندوں پر تمام کردی۔

صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق وصال سے دو اڑھائی مہینے پہلے حجۃ الوداع کے موقعہ پر میدانِ عرفات میں تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جمِ غفیر سے اپنے تاریخی اور یادگار خطبے میں تبلیغِ رسالت کا حق ادا کرنے کی چشم دید شہادت اور اقرار لیتے ہوئے آپ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور بارگاہ الٰہی میں تین مرتبہ عرض کیا:

اللهم اشهد۔ (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبیؐ، ۱/ ۳۹۷)

اے اللہ گواہ رہنا کہ میں نے تیرا پیغام تیرے بندوں تک پہنچانے کا حق ادا کردیا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا اندازِ تبلیغ

آپ ﷺ نے فریضۂ نبوت کی ادائیگی کے دوران کس طرح کا انداز اور طرز اختیار فرمایا۔ ذیل میں اس حوالے سے کچھ مظاہر درج کیے جاتے ہیں:

ا۔ حکمت، موعظہ حسنہ اور احسن طریق سے بحث

حضور نبی اکرم ﷺ کے اندازِ تبلیغ کی بابت خود باری تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یوں اصولی اور بنیادی ہدایت فرمائی کہ:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ. (النحل، ۱۶: ۱۲۵)

’’(اے رسولِ معظّم ﷺ!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجیے جو نہایت حسین ہو۔‘‘

اس آیت کریمہ میں اللہ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو دعوت کے تین طریقوں کی تعلیم دی ہے:

ا۔ حکمت ۲۔ موعظہ حسنہ ۳۔ احسن طریقے سے بحث

ا۔ حکمت سے مراد یہ ہے کہ نہایت پختہ اور اٹل مضامین؛ مضبوط دلائل اور براہین کی روشنی میں ایسے حکیمانہ انداز میں پیش کیے جائیں کہ انھیں سن کر فہم و ادراک اور علمی ذوق رکھنے والا حقیقت پسند اور منصف مزاج طبقہ، اگر اس نے کانوں میں ضد اور ہٹ دھرمی کی روئی نہیں ٹھونس رکھی تو اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہوجائے۔ دنیا کے سارے خیال اور فلسفے ان دلائل کے سامنے ماند پڑجائیں اور کسی قسم کی علمی و دماغی ترقیات پیغمبرِ الٰہی کے بیان کردہ حقائق کا ایک شوشہ تک تبدیل نہ کرسکیں۔

۲۔ موعظہ حسنہ سے مراد ہے مؤثر اور رقت انگیز نصیحت جس میں نرم خوئی اور دلسوزی کی روح بھری ہو۔ عام مشاہدہ ہے کہ اخلاص، ہمدردی، شفقت اور حسنِ اخلاق سے خوبصورت معتدل اور دلنشین پیرائے میں جو نصیحت کی جاتی ہے، اس سے پتھر دل بھی موم ہوجاتے ہیں، مردوں میں جانیں پڑ جاتی ہیں اور لوگ مبلغ کی زبان سے خوبصورت باتیں سن کر منزلِ مقصود کی طرف دوڑنے لگتے ہیں۔ بالخصوص جو لوگ زیادہ پڑھے لکھے، عالی دماغ اور ذکی و فہیم نہیں ہوتے مگر طلبِ حق کی چنگاری سینے میں رکھتے ہیں، ان میں مؤثر وعظ و پند سے عمل کی ایسی اسٹیم بھری جاسکتی ہے جو بڑی اونچی عالمانہ تحقیقات کے ذریعے سے ممکن نہیں۔

۳۔ البتہ دنیا میں ہمیشہ کچھ ایسے لوگ بھی رہے ہیں جن کا کام فی سبیل اللہ ہر چیز میں الجھنا، بات چیت میں حجتیں نکالنا اور کج بحثی

کرنا ہے۔ یہ لوگ نہ حکمت کی باتیں قبول کرتے ہیں اور نہ وعظ و نصیحت سنتے ہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں بحث و تمحیص اور مناظرہ کا بازار گرم رہے۔ اس لیے دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں تیسری ہدایت ”و جادلھم بالتی ھی احسن“ کے الفاظ کے ذریعے فرمائی گئی کہ اگر بحث و مناظرے کا موقع آجائے تو بہترین طریقہ سے تہذیب، شائستگی، حق شناسی اور انصاف کے ساتھ بحث کرو۔ اپنے حریف مقابل کو الزام دو تو بہترین اسلوب سے دو۔ خوامخواہ دل کو دکھانے والی اور جگر کو زخمی کرنے والی باتیں مت کرو کہ جن سے معاملہ بڑھے۔ مقصود صرف تفہیم اور حق کو واضح کرنا ہو، سخت کلامی بداخلاقی اور ہٹ دھرمی سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

۲۔ مخاطبین کی ذہنی استعداد کا لحاظ

تبلیغ و دعوت دین کے سلسلے میں اس اصولی ہدایتِ ربانی کی روشنی میں حضور اکرم ﷺ نے جو اندازِ تبلیغ اختیار فرمایا، اس کے خدوخال کچھ اس طرح تھے کہ آپ بوقتِ دعوت؛ مخاطب یا مخاطبین کی ذہنی و عقلی استعداد، ان کی فطری صلاحیت اور ان کے طبعی مزاج کو بھی مدنظر رکھتے تھے۔

آپ ﷺ چشم دید مشاہدے کے لیے کسی چیز کی ظاہری ہیئت کی طرف اشارہ کرتے یا اس کی اصلیت و حقیقت سے پردہ اٹھانے کے لیے اس کے پاس کھڑے ہوجاتے اور پھر اس سے اپنی بات یوں نکالتے کہ غبی سے غبی آدمی کے ذہن میں بھی بیٹھ جاتی۔ مثلاً: ایک سفر کے رستے میں ایک بکری کے مردہ بچے کو دیکھا تو اس کے کان پکڑ کر لوگوں سے پوچھا: ہے کوئی آدمی جو اس کو صرف ایک درہم پر خریدنے کے لیے تیار ہو؟ جب سب نے انکار کردیا تو اس سے لوگوں پر دنیا کی حقیقت واضح کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم! یہ مردار بچہ تمہاری نظر میں جتنا بے وقعت ہے، دنیا؛ اللہ کی نظر میں اس سے زیادہ بے وقعت ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الرقاق، ص۴۳۹)

اسی طرح سیرت اور حدیث کی کتابوں میں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ سائل کی ذہنی کیفیت، روحانی و فکری بیماری، رجحان، حالات یا ضرورت کے مدنظر آپ نے ماہر طبیب اور نبض شناس کی طرف سے ایک ہی سوال کا جواب ہر آدمی کو الگ الگ دیا۔ مثلاً:

کئی لوگوں نے پوچھا کہ: یارسول اللہ ﷺ! **ای الاعمال افضل؟** (اے اللہ کے رسول ﷺ کونسا عمل سب سے افضل ہے؟) تو آپ ﷺ نے ایک آدمی کو فرمایا کہ جہاد سب سے افضل عمل ہے۔ دوسرے سے فرمایا: ماں کی خدمت سب سے افضل عمل ہے۔ تیسرے سے فرمایا: نماز سب سے افضل عمل ہے اور چوتھے سے فرمایا: لوگوں کو کھانا کھلانا اور ہر ملنے والے کو سلام کرنا افضل عمل ہے۔

۳۔ بات کا تکرار کرنا

علاوہ ازیں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اللہ کریم نے اگرچہ آپ ﷺ کو اوّلین و آخرین کے علوم سے نواز رکھا تھا اور امام بوصیری کے بقول لوح و قلم کا علم آپ ﷺ کے خداداد علوم کا ایک ادنیٰ جزو تھا:

فان من جودك الدنيا وضرتها
ومن علومك علم اللوح والقلم

اس کے باوجود سمجھانے اور بات کو ذہن نشین کرانے کے لیے اپنی بات کو انتہائی آسان پیرائے میں تین تین دفعہ دھراتے اور بعض اوقات مثالوں کا بھی سہارا لیتے تاکہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے۔

عام دنیا دار اور پیشہ ور واعظوں، خطیبوں، شعلہ بیان اور شیریں بیان مقررین کی طرح فن خطابت، جوش بیان اور شعلہ بیانی کے جوہر دکھانا یا اپنی علمیت کا رُعب جھاڑنا آپ ﷺ کی پیغمبرانہ شان وعظمت اور منصب کے خلاف تھا، ورنہ دنیا میں آپ سے بڑا خطیب کون ہوسکتا تھا۔ اس لیے کہ کسی مسئلہ کو سمجھانے، کسی بات پر زور دینے یا اس کی غیر معمولی اہمیت واضح کرنے کے لیے بات کو تین دفعہ دہرانا آپ ﷺ کا معمول اور عادتِ کریمہ تھی۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ کا یہ معمول بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’آنجناب ﷺ جب کوئی بات ارشاد فرماتے تو اس کا تین مرتبہ اعادہ فرماتے حتی کہ وہ بات آپ ﷺ سے سمجھ لی جاتی اور

(اسی طرح) جب آپ ﷺ کسی قوم کے پاس تشریف لے جاتے تو انھیں سلام فرماتے اور (اجازت کی خاطر) انھیں تین مرتبہ سلام کہتے۔‘‘ (بخاری الصحیح، کتاب العلم باب من اعاد الحدیث ثلاثا یفھم الخ، ۱/۲۰)

مخاطبین کے معیار کو مدِنظر رکھتے ہوئے آپ بدوی اور شہری، پڑھا لکھا اور ان پڑھ یعنی عقل و تجربہ کے مختلف مدارج رکھنے والے انسانوں کو مختلف طریقوں سے دعوت دیتے تھے۔

۴۔ مخاطبین کی نفسیات اور مزاج کا لحاظ

آپ ﷺ کے اندازِ تبلیغ میں ایک چیز یہ بھی نظر آتی ہے کہ آپ ﷺ اپنے مخاطبین کے مزاج اور نفسیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے جذبات و احساسات کا بھی پورا پورا خیال فرماتے تھے۔ اگر جذبات میں سردمہری ہوتی تو آپ ﷺ حکمت کے ساتھ ان میں حرارت پیدا کردیتے۔ اگر مخاطبین کے جذبات میں اشتعال محسوس کرتے تو کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالتے اور نہ عملاً کوئی ایسی روش اختیار کرتے جس سے جذبات بے قابو ہوجائیں۔

انسانی نفسیات ہے کہ انسان طبعی طور پر مشکل چیزوں کو قبول کرنے کے لیے فوری طور پر تیار نہیں ہوتا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اسی انسانی نفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے کبھی نومسلم لوگوں پر مشکل اور بظاہر نفس پر بھاری احکامِ شریعت لاگو نہ فرمائے۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو دعوت و تبلیغ کے لیے یمن بھیجا تو انھیں ہدایت فرمائی:

یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا.

تم دونوں لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرنا نہ کہ مشکلات، اور لوگوں کو خوشخبری سنانا نہ کہ انہیں دین سے متنفر کردینا۔ (صحیح بخاری، کتاب الادب باب قول النبی ﷺ یسروا ولاتعسروا۔ ۲/۹۰۴)

۵۔ مخاطبین کی عزتِ نفس کا تحفظ

علاوہ ازیں آپ ﷺ اپنی دعوت و تبلیغ، تعلیم و تربیت، اصلاح دین اور لوگوں کی عزتِ نفس کو بھی ملحوظ رکھتے۔ اگر کسی آدمی سے کوئی خلافِ شرع حرکت یا غلطی سرزد ہوجاتی تو نام لے کر لوگوں کے سامنے اس کو شرمسار نہ فرماتے بلکہ فرماتے: لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ اس طرح کی حرکت کرتے ہیں۔ اس انداز سے اس کی عزتِ نفس بھی مجروح نہ ہوتی اور اس کی اصلاح بھی ہوجاتی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انسان تھے، بتقاضائے بشریت ان سے خلافِ ادب چیزیں یا چھوٹی موٹی غلطیاں بھی ہوجاتی تھیں، ایسی صورت میں نبی رحمت ﷺ کا معمول تھا کہ برسرِ عام ان کا نام لے کر انھیں شرمندہ نہ فرماتے، نہ براہ راست ٹوکتے تاکہ انھیں مجلس میں کسی قسم کی خفت کا سامنا نہ کرنا پڑے بلکہ نام لیے بغیر اشارے کنایے میں اِن کی اصلاح فرمادیتے کیونکہ مقصود متعلقہ آدمی کی اصلاح ہوتی تھی نہ کہ لوگوں کے سامنے اسے خواہ مخواہ شرمندہ کرنا۔ اس حکمت بھرے انداز میں نصیحت سے اُس مخصوص آدمی کی اصلاح بھی ہوجاتی، اس کی عزتِ نفس بھی محفوظ رہتی اور بقیہ لوگ بھی خبردار ہوجاتے۔ یوں متعلقہ آدمی کو سب لوگوں کے سامنے شرمندہ یا ہلکا نہیں ہونا پڑتا تھا۔ چنانچہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

کان النبی ﷺ اذا بلغه عن الرجل شیء لم یقل ما بال فلان یقول ولکن یقول ما بال اقوام یقولون کذا وکذا. (ابوداؤد، السنن کتاب الادب، باب حسن العشرۃ، ۲/۳۱۷، رقم ۴۷۸۸)

نبی رحمت ﷺ کو جب کسی آدمی کے متعلق کوئی چیز (کوئی غلط بات) پہنچتی تو آپ ﷺ یوں نہ فرماتے کہ فلاں (نام لے کر) کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ یوں کہتا ہے بلکہ فرماتے: لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہی ایک اور عینی گواہی ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

ایک آدمی اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کے (بدن یا کپڑوں) پر زردی کا نشان تھا اور اللہ کے رسول ﷺ بہت کم ہی کسی آدمی کو اس کے منہ پر کسی ایسی چیز کی طرف توجہ دلاتے تھے جسے آپ ﷺ ناپسند کرتے ہوں۔ جب وہ چلا گیا تو آپ ﷺ نے (حاضرین سے) فرمایا: کاش تم اس آدمی کو کہہ دیتے کہ وہ اس زردی کے نشان کو دھولے۔

(ابوداؤد، السنن، کتاب الادب، باب حسن العشرۃ، رقم ۴۷۸۹)

علی ہذا القیاس ایک آدمی کو نماز کے دوران آسمان کی

طرف نظریں اٹھائے دیکھا تو فرمایا:

مابال اقوام یرفعون ابصارهم الی السماء فی صلاتهم فاشتد قوله فی ذالك حتی قال لینتهین عن ذالك اولتخطفن ابصارهم. (بخاری، الصحیح کتاب الاذان، باب رفع البصر الی السماء فی الصلوۃ، ۱/۲۶۱، رقم ۷۵۰)

لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ اپنی نماز کے دوران اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے متعلق بڑی سختی سے فرمایا: لوگوں کو ایسا کرنے سے باز آجانا چاہیے، ورنہ ان کی بینائی کو اچک لیا جائے گا۔

۶۔ مخاطبین کی خیر خواہی اور غمخواری کا جذبہ

حضور نبی اکرم ﷺ کی تبلیغ میں سب سے اہم، ممتاز و منفرد اور نمایاں چیز جس نے بڑے بڑے مخالفین اور دشمنوں کو آستانہ محمدی ﷺ پر جھکنے کے لیے مجبور کردیا تھا، وہ مخاطبین و سامعین اور ساری انسانیت کی سچی خیر خواہی، ہمدردی اور غمخواری کا جذبہ تھا۔ یہی خیر خواہی کا جذبہ آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ کے ایک ایک فرد کے پیچھے لے گیا۔۔۔ اسی انسانی ہمدردی و خیر خواہی کے جذبہ نے آپ ﷺ کو مکہ کے بازاروں، میلوں اور موسم حج میں عرب کے ایک ایک قبیلے کے پاس جانے پر مجبور کیا۔۔۔ اسی خیر خواہی کے جذبہ نے آپ ﷺ کو طائف کے بازاروں میں لہولہان کرایا۔ علاوہ ازیں اہلِ علم جانتے ہیں کہ وہ کون سی ذہنی کوفت اور جسمانی اذیت ہے جو اس معصوم، پاکباز اور رحمۃ للعالمین ذات کو اس میدان میں برداشت نہیں کرنا پڑی مگر قربان جائیں! اس سراپا شفقت و رحمت اور اپنی قوم و انسانیت کے حقیقی خیر خواہ پر جو اپنی قوم کے اس معاندانہ بلکہ شرمناک، اذیت ناک اور ننگِ انسانیت رویہ کے باوجود راتوں کو اٹھ اٹھ کر ان کی ہدایت کے لیے دعائیں کرتے رہے۔

لوگ اپنی ناسمجھی اور عاقبت نااندیشی سے کفر و شرک اور معاصی کے باعث کس طرح جہنم کی آگ میں گر کر ہلاک ہونا چاہتے تھے اور نبی رحمت ﷺ کو ان ناسمجھوں اور عاقبت نااندیشوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کی کتنی فکر تھی؟ اس فکر مندی، ہمدردی اور غمخواری کو آپ ﷺ نے ایک مثال دے کر یوں واضح فرمایا ہے کہ

''میری اور میری امت کی مثال اس آدمی جیسی ہے جس نے آگ جلائی، جب آگ نے اپنے ماحول/ اردگرد کو روشن کردیا تو پتنگے اور کیڑے مکوڑے جو عموماً آگ میں گرا کرتے ہیں (بلا سوچے سمجھے) اُس آگ میں گرنے لگے۔ اب آدمی ان کو روکنے کی کوشش کرتا ہے مگر بے سود۔ اس کے روکنے کے باوجود وہ اس پر غالب آجاتے ہیں اور یوں آگ میں گھسے چلے جاتے ہیں۔ بالکل یہی مثال میری اور تمہاری ہے۔ میں تمھیں آگ (دوزخ کی آگ) میں گرنے سے بچانے کے لیے تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر روک رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ آگ سے نکل آؤ۔ آگ سے نکل آؤ مگر تم ہو کہ اس معاملے میں میرے اوپر آئے جارہے ہو اور اپنے نفع نقصان کو سمجھے بغیر میرے ہاتھوں سے نکل کر آگ میں گھسے جارہے ہو۔''

(بخاری الصحیح کتاب الرقائق، باب الانتهاء عن المعاصی، ۲/۹۶)

المختصر یہ کہ!

جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

آپ ﷺ کی مخلصانہ دعوت و تبلیغ، قوم کے لیے رو رو کر کی ہوئی دعائیں، دلسوزی اور خیر خواہی آخر کیسے رائیگاں جاسکتی تھی۔۔۔؟ بالآخر یہ چیزیں رنگ لائیں اور ایک وقت آیا کہ بیت اللہ پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔۔۔ سارا عرب سرنگوں ہوگیا۔۔۔ دنیا پر حق آشکارا ہوگیا۔۔۔ اور فرمانِ الٰہی: وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا کے مصداق لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہونے لگے:

معروف اسلامی محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ کی تبلیغ سے تقریباً پانچ لاکھ آدمی آپ ﷺ کے وصال تک دائرہ اسلام میں داخل ہوچکے تھے۔ اس لیے آج بھی اگر حضور اکرم ﷺ کے درج بالا اندازِ تبلیغ کو اپنایا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے خاطر خواہ نتائج نہ نکلیں۔

❁❁❁❁❁

عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ

محبتِ رسول ﷺ میں فنا ہونے کا اجر جنت کی صورت میں صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہی حاصل نہیں بلکہ دیگر مخلوقات بھی اس اعزاز سے نوازی گئی

محمد شفقت اللہ قادری☆

وہ ذات مقدسِ حضرتِ محمد کریم ﷺ جن کی صبح ولادت نسیم سحری نے درِ اقدس آمنہ رضی اللہ عنہا پر نہایت ادب سے دستک دی، تو بادِ صباءِ فجری یہ منظر دیکھ کر عجب ورطۂ حیرت میں گم ہوگئی کہ ہزاروں حورانِ جنت نے بیتِ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اور آسمانِ دنیا کے درمیان ایک نورانی سائبان تان رکھا ہے اور اطراف اکنافِ عالم سے نور کی چادر میں لمحۂ ولادت محمد مصطفیٰ ﷺ کو چھپا رکھا ہے۔ درِ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور بیت حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا وہ مقامِ تکریم و تعظیم ہے جہاں حضور اقدس کی ولادتِ باسعادت کی صورت میں ایمان کی صبحِ نور طلوع ہوئی اور پورا عالم بقعۂ نور بن گیا۔

☆ قارئین گرامی قدر! آپ کی توجہ ایک لطیف اور قرآنی نقطہ کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ رب کائنات خالقِ ارض و سماوات نے سورہ التکویر کی آیت نمبر ۱۷ اور آیت نمبر ۱۸ میں تواتر کے ساتھ دو قسمیں اٹھائی ہیں:

وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ. وَ الصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ.

’’اور رات کی قَسم جب اس کی تاریکی جانے لگے۔ اور صبح کی قَسم جب اس کی روشنی آنے لگے۔‘‘ (التکویر، ۸۱: ۱۷، ۱۸)

یہ امر قابلِ غور ہے کہ خالقِ عظیم نے کوئی بھی قرآنی قسم کسی خاص اہمیت اور مقصد کے بغیر نہیں کھائی ہے۔ تواتر کے ساتھ مذکورہ بالا دونوں قسمیں کھانے کی وجہ میری وجدانی تفسیر کے مطابق یہ ہے کہ خالقِ ارض و سماوات کا مطمعِ نظر جانے والی رات کی آخری حدود اور آنے والی صبح فجری کی حدودِ آغازی کا درمیانی نقطہ ملاپ ہی وہ لمحہ مبارک ہے جو عین لمحہ ولادتِ مسعود محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔ عین لمحۂ ولادت محمد مصطفیٰ ﷺ رات کا آخری پہر اور صبحِ نور کا پہلا کنارہ آپس میں باہم دامن گیر ہوئے اور دونوں نے ہمہ تن ادب بجا لاتے ہوئے بیک وقت چہرہ والضحیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کریم کا مھدِ بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا میں بوسۂ تعظیم لیا۔ ذرا غور کریں کہ کیا منظر دیدنی ہوگا کہ رات اندھیرے سمیٹتی جا رہی تھی اور صبحِ نور چار سو اجالے اور خوشبو بکھیرے جا رہی تھی، اس ماحول میں آفتابِ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سرزمین عرب میں چھائے کفر کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چیرتا ہوا گودِ خاتونِ کائنات حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے طلوع ہوا اور طلوعِ فجرِ ایمان ہوگئی۔ باد صبا کے ٹھنڈے جھونکے وجود مصطفیٰ ﷺ سے خوشبو مستعار لے کر چار سو اطراف و اکنافِ عالم میں بکھیر رہے تھے اور گلشن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ میں بہار آ گئی تھی۔

میرا وجدان کہتا ہے کہ رب العزت خالقِ کائنات اپنے مقرب ملائکہ کے ساتھ شب ولادت مصطفیٰ ﷺ اپنی شانِ الوہیت کے ساتھ اہلِ زمیں پر اپنے لطف و کرم کی بارش برسا رہے ہوں گے۔

☆ قارئین گرامی! اسی طرح ملاحظہ ہو کہ قرآن عظیم کی سورۃ اللیل میں فرمایا:

☆ سینئر ریسرچ اسکالر فرید ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، لاہور

وَ النَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى. (اللیل،۹۲:۲)

''اور دن کی قسم جب وہ چمک اٹھے۔''

جس دن کی قسم رب العزت نے کھائی ہے اس سے ولادت کے بعد پہلا دن مراد ہوسکتا ہے۔ کیونکہ کفر وظلمت کے اندھیرے طلوعِ فجرِ ایمان سے چھٹ گئے تھے اور نورِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی سے پوری دنیا چمک اٹھی تھی۔ پورے مکہ مکرمہ میں رب العزت نے آمد مصطفیٰ ﷺ کی خوشی میں بیٹے بانٹے اور قیصر وکسریٰ کے محلات کے اونچے مینارے گر گئے اور آتش کدہ فارس بجھ گیا۔

☆ قرآن عظیم نے سورہ الفجر آیت نمبر۱ میں ارشاد فرمایا:

وَالْفَجْرِ. (الفجر،۸۹:۱)

''اس صبح کی قسم (جس سے ظلمتِ شب چھٹ گئی)۔''

اس سے مراد صبح ولادت مصطفیٰ ﷺ بھی ہے۔

قارئین محتشم! مجدد رواں صدی شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے عرفان القرآن میں آیت مذکورہ کے عمومی ترجمہ کے ساتھ خصوصی حاشیہ میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی قدر بھی ہے جن کی بعثت سے شبِ ظلمت کا خاتمہ ہوا اور صبحِ ایمان پھوٹی، تاہم میرا وجدان غالب ہے کہ یہ فجر ولادتِ مصطفیٰ ﷺ ہی ہے۔

☆ خالق کائنات نے فرمایا:

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى. (اللیل،۹۲:۱)

''رات کی قسم جب وہ چھا جائے (اور ہر چیز کو اپنی تاریکی میں چھپا لے)۔''

اس آیت میں خالقِ کائنات نے اپنے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ کی شبِ ہجرت کی اہمیت کے پیش نظر قسم کھائی ہے۔ مکہ مکرمہ سے ہجرت کی پہلی رات سفرِ ہجرت پر روانہ ہوئے اور یار غار حضرت ابوبکر صدیق ؓ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے تو تعاقب کرتے ہوئے مشرکینِ مکہ غارِ ثور تک پہنچ گئے۔ منظر دیدنی تھا۔ رات گہری اور گھٹا ٹوپ اندھیری تھی اور ہر چیز کو اندھیرے نے چھپا رکھا تھا حتی کہ غار ثور کا دھانہ (منہ) بھی نظر نہ آرہا تھا۔ پس یہ فیصلہ کیا گیا کہ صبح کی روشنی میں (تلاشِ محمد ﷺ) کی جائے گی اور واپس چلے گئے۔ جب صبح سورج کی روشنی میں کفار دوبارہ غار ثور پر پہنچے تو وہاں کا منظر ہی تبدیل ہو چکا تھا۔ سرداران مکہ نے دیکھا کہ غار کے منہ پر مکڑی نے جالا بُن رکھا تھا اور غار کے دھانے پر کبوتری انڈوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ تعاقب کرنے والے مایوس ہوکر واپس لوٹ گئے۔

قارئین گرامی قدر! یہ ہجرت مدینہ عین منشاءِ حق اور رضائے خداوندی کے تحت واقع پذیر ہوئی اور آپ ﷺ پوری طرح حفاظتِ خداوندی کے حصار میں محفوظ تھے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے اپنے یار غار حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو فرمایا کہ گھبراؤ نہ، خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اس پر بھی میرا غالب گمان ہے کہ خالق عظیم نے یہ قسم بھی حفاظت مصطفیٰ ﷺ کے اہتمام اور تحفظ ہجرت مدینہ کے تناظر میں کھائی ہے۔

☆ قارئین ذی وقار! وابستگی اور اطاعت گزاری میں دہلیز مصطفیٰ ﷺ پر عشقِ محبوبِ خدا میں لاکھوں دھڑکتے تڑپتے اور مچلتے قلوب و اجسام تو سبھی نے دیکھے اور تمام مخلوقاتِ عالم نے محمد مصطفیٰ ﷺ کے آگے سرِ تسلیم خم کیا اور اپنی محبت کا ثبوت دیا اور سفرِ عشق کی منتہا اور منزلِ مقصود خوشنودیِ مصطفیٰ ﷺ ہی کو جانا۔ تمام مخلوقات نے آپ کو رحمۃ للعالمین پایا۔ تاہم محبتِ رسول ﷺ کی ایک عجیب اور انوکھی روح پرور داستان پاپوشِ مصطفیٰ ﷺ نے رقم کی۔ پاپوش سے میری مراد نعلین مبارک محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔ میں نے لفظ پاپوش؛ نعلین مصطفیٰ ﷺ کے لیے دانستہ استعمال کیا ہے اس لیے کہ لفظ پاپوش کا لغوی معنٰی قدم چومنے والا، جھکنے والا اور تسلیم کرنے والا ہیں اور پاپوش کے لغوی معنی پاؤں چومنا، جھکنا اور تواضع و تعظیم ہیں۔

عام الحزن یعنی غمگینی کے سال سن ۱۰ نبوی میں حضرت ابوطالب اور خدیجۃ کبریٰ سلام اللہ علیہما کی رحلت کے بعد ابو لہب قبیلہ بنو ہاشم کا سردار بنایا گیا تو اس نے فوری طور پر حضورِ اقدس ﷺ کی حمایت کے خاتمے کا اعلان کردیا ہے اور ببانگِ دہل اعلان عام کیا کہ معاذ اللہ اگر کوئی آپ کو شہید کردے تو خاندان بنو ہاشم بدلہ یا انتقام قطعی طور نہ لے گا۔ ابولہب کی نئی سرداری میں جب حضور ﷺ اور ان کے جانثاروں پر ایذا رسانی اور مظالم کا سلسلہ حد سے بڑھ گیا تو حضور اقدس ﷺ نے وقت

کی اہم ضرورت کے پیشِ نظر تبلیغِ دین کے لیے اپنے غلام حضرت زید بن حارثہؓ کے ہمراہ وادی طائف تشریف لے جانے کا فیصلہ کیا۔

آغاز میں ہی عمرو بن عمیر کے بدمست، فاسق و فاجر تخت نشین بیٹوں عبد یالیل، مسعود اور حبیب کو دعوتِ اسلام دی۔ یہ قدم بظاہر بہت مشکل اور عجب حیرت ناک تھا مگر عالمِ غیب پر نظر رکھنے والے آخرالزماں نبی محمد رسول اللہ ﷺ کی حکمتِ عملی اور حکمتِ نبوی تھی جس پر عملدرآمد کیا۔ تاہم نشہ حکمرانی میں بدمست، بدطینت مجموعہ عیوب حکمرانوں نے حضور ﷺ کی دعوت نہ صرف رد کردی، بلکہ طائف کے چند بدمعاش اوباش نوجوانوں کو حضور انور محمد مصطفیٰ ﷺ کا پوری طرح تعاقب کرنے کے لیے لگادیا۔

حکمران سرداروں کے حکم پر اوباش نوجوانوں نے حضور ﷺ پر ستم گری اور ظلم و بربریت کی انتہا کردی اور پتھروں کی بارش برسائی یہاں تک کہ آقائے دو جہاں محمد مصطفیٰ ﷺ کا جسم مبارک لہولہان ہوگیا۔ حضور ﷺ کا اتنا خون بہا کہ پاپوش مبارک بھر گئے تو میرا وجدان یہ کہتا ہے کہ۔۔۔ خون چکیدہ زخم فگار پاؤں مبارک جب پاپوشِ مصطفیٰ ﷺ نے دیکھے تو کرب و غمِ رحمۃ للعالمین میں بے چین ہوگئے۔۔۔ سارا خون مصطفیٰ کریم ﷺ اپنے دامن میں سمیٹنے لگے۔۔۔ پاپوش مبارک مظالمِ کفار پر تعجب کناں اور حیرت ناک تو تھے مگر اپنی قسمت اور سعادت پر عش عش کر اٹھے کہ خونِ مصطفیٰ ﷺ چوم رہے ہیں۔۔۔ مگر غمِ عشق مصطفیٰ ﷺ میں تلملانے لگے۔۔۔ ان پر عجب کرب و ہیجان کی کیفیت طاری تھی۔۔۔ فرطِ جذبات اور شدت عشقِ محمد رسول اللہ ﷺ کے باعث لہو چکاں تلوؤں سے چپک سے گئے۔۔۔ ایسا لگا کہ وہ سسکیاں بھر رہے ہوں۔۔۔ اور ندا دے رہے ہوں کہ پیارے آقا! نیچے کی فکر نہ کریں۔۔۔ ہم صد چاک تو ہوسکتے ہیں مگر آپ ﷺ کے قدمین کریمین کو گزند نہیں آنے دیں گے۔

اب اس قصہ کو ذرا یہیں روکیے اب یہ دیکھتے ہیں کہ محبتِ مصطفیٰ ﷺ کا اجر کیا ملتا ہے۔۔۔؟ اس سلسلہ میں اگر فنا فی الرسول عشرہ مبشرہ اصحاب مصطفیٰ ﷺ کو دیکھیئے تو وہ اطاعت و فرمانبرداری اور جانثاری و محبت اور اتباع محبوب خدا کی معراج کو پہنچے تو حضور اقدس ﷺ نے انھیں دنیا میں ہی جنت کی بشارت سنا دی۔ دنیا میں زبانِ مصطفیٰ ﷺ سے جنت کی بشارت پانے والے صرف دس صحابہ کرامؓ نہیں بلکہ ان کی تعداد 100 سے زائد ہے۔ حال ہی میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے ایک نہایت خوبصورت تصنیف **خیر المآب لمن بشر بالجنۃ من الاصحاب** رقم فرمائی جس میں آپ نے جنت کی خصوصی بشارت پانے والے 100 صحابہ وصحابیات کے نام مکمل تحقیق اور ان کے بارے میں ارشاد فرمائے گئے فرامین مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ درج کیے ہیں۔ اس تصنیف میں شیخ الاسلام نے یہ وضاحت بھی کردی کہ اس عدد کا مقصد ہرگز ہرگز یہ نہیں کہ صرف ان مخصوص صحابہ کرام اور صحابیات کو ہی جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ علامہ کرمانی کے قول کے مطابق عدد کی تخصیص کرنے سے زائد کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ علاوہ ازیں اصحاب بدر، اصحاب احد، اصحاب حنین اور صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی مجموعی طور پر آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو جنت کی بشارت عطا فرمائی ہے۔

محبتِ رسول ﷺ میں فنا ہونے کا اجر جنت کی صورت میں صرف صحابہ کرامؓ کو ہی حاصل نہیں بلکہ دیگر مخلوقات بھی اس اعزاز سے نوازی گئی۔ اُستنِ حنانہ (کھجور کا کٹا ہوا سوکھا تنا) کا واقعہ بھی محبتِ رسالت مآب ﷺ کی زندہ مثال ہے۔ نئے منبر رسول ﷺ کے بننے پر جدائی اور ہجرِ مصطفیٰ ﷺ میں استنِ حنانہ سسکیاں لے کر رونے لگا یہاں تک کہ صحابہ کرامؓ نے دیکھا کہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔ سرکار دو عالم منبر پر تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ خطبہ کے دوران ہی منبر رسول ﷺ سے اٹھے، کھجور کے خشک تنے کو اپنے سینہ اقدس سے لگایا اور پوچھا: استن حنانہ تجھے کیا ہوا ہے؟

کھجور کے اس سوکھے تنے کو لمسِ مصطفیٰ ﷺ نے زندگی عطا کردی۔ قربان جائیں حضور اقدس کی رحمۃ للعالمینی پر کہ آقا ﷺ نے سوکھے لکڑی کے ٹکڑے کو عقلِ سلیم اور قوتِ گویائی بھی عطا کردی۔ سینہ اقدسِ مصطفیٰ ﷺ سے چمٹنے کے بعد استن حنانہ سسکیاں لیتا لیتا چپ ہوگیا اور عرض کیا: آقا! کیا میری اطاعت،

محبت اور فرمانبرداری میں کمی آ گئی تھی جو آپ ﷺ نے نظرِ انتخاب بدل کر نئے منبر کو خطبہ جمعہ مبارک کے لیے چن لیا ہے۔ رحمۃ للعالمین آقا ﷺ! میرے رونے کا سبب فقط آپ ﷺ کی محبت ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حنانہ کیا چاہتے ہو؟ حنانہ دست بستہ عرض کرنے لگا: کریم آقا آپ ﷺ نے خود متعدد مواقع پر واضح فرمایا ہے کہ مجھ سے محبت و اطاعت کا اجر جنت ہے۔ میری التجا فقط یہ ہے کہ مجھے آپ ﷺ سے محبت کے بدلے میں جنت نہیں چاہیے بلکہ فقط یہ گزارش ہے کہ مجھے اپنی اطاعت اور فرمانبرداری میں ہی رہنے دیجئے۔ میری جنت یہی ہے۔ مجھے آپ ﷺ کی جدائی میں جنت قبول نہیں ہے۔ اس پر آقا کریم ﷺ نے فرمایا: حنانہ دو چیزوں میں سے ایک چن لو اوّل یہ کہ میں اسی دنیا میں تجھے ہرا بھرا اور پھلدار کھجور کا درخت بنا دیتا ہوں۔ قیامت تک تمہارے پھل سے میری امت مستفید ہوتی رہے گی۔ دوم یہ کہ حنانہ میں تجھے یہاں سے اکھاڑ کر جنت میں لگا دیتا ہوں، تمہارے ہرے بھرے ہونے پر تمہاری کھجوروں سے اہلیان جنت (جنتی لوگ) کھجوریں تو کھائیں گے ہی تاہم تاابد ہمیشگی کے ساتھ میرے قرب اور میری اطاعت میں بھی رہو گے۔ صحابہ کرام ؓ نے یہ منظر خود اپنی چشمان سے ملاحظہ کیا کہ استن حنانہ نے دوسرا انعام قبول کیا اور چپکے سے جنت میں منتقل ہوگیا۔

قارئین محتشم! نزہت و لطافت مصطفوی ﷺ کی معراج کی طرف آ رہا ہوں کہ صحابہ کرام ؓ نے محبت و اطاعتِ مصطفیٰ کریم ﷺ کی تو 100 سے زائد صحابہ کرام ؓ اور صحابیات کو بھی زندگی میں ہی جنت عطا کر دی۔ استنِ حنانہ کو اپنے قرب کے ساتھ جنت میں منتقل کر دیا۔

قارئین گرامی قدر! دل تھام لیجئے کہ جب سفرِ طائف میں 20 شوال ۱۰ نبوی ﷺ کو آقا دو جہاں ﷺ سردارانِ طائف کے بدمست نوجوانوں کو دعوتِ اسلام دی تو نہ صرف انھوں نے انکار کیا بلکہ ظلم و ستم کی انتہا کر دی تو میرا وجدان یہ کہتا ہے کہ پاپوش مبارک زور زور سے رونے لگے اور التجا کر رہے تھے کہ۔۔۔ آقا! ہمیں اپنے ساتھ رہنے دیں۔۔۔ کسی لمحے بھی اپنے سے جدا نہ فرمائیں۔۔۔ مصطفیٰ کریم ﷺ نے نعلین مبارک کی بھی آواز سن لی ہوگی اور پوچھا ہوگا کہ اے پاپوش کیا چاہتے ہو۔۔۔؟ پاپوش مصطفیٰ ﷺ ادب سے گویا ہوئے: آقا ﷺ! جب آپ فرما رہے تھے کہ جس نے مجھ سے محبت کی اور میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا تو حضور! گزارش اور التجا اتنی ہے کہ ہمیں جنت نہیں اپنی فرمانبرداری اور اطاعت میں رکھیں۔۔۔ ہمیں آپ ﷺ کے قدمین کے لمس کے بغیر نہیں رہ سکتے۔۔۔ ہمیں آپ ﷺ سے جدائی قبول نہیں ہے۔

عقل والو! عشق بازی لے گیا۔ (سبحان اللہ) فرمانبرداری، محبت اور اطاعتِ مصطفوی ﷺ کا حقیقی مفہوم اور مقام پاپوش مصطفیٰ نے سمجھا دیا اور شب معراج پاپوش مبارک کی بھی معراج ہوگئی۔ محمد عربی احمد مجتبیٰ ﷺ نے رحمۃ للعالمینیت کی حد کر دی۔ اطاعت اور غلامی میں صحابہ کرام ؓ کو زندگی میں جنت کی بشارت دی۔۔۔ استن حنانہ کو اطاعت گزاری میں جنت منتقل کر دیا۔۔۔ اور سفرِ طائف میں وفاداری، اطاعت گزاری اور محبت رسول ﷺ میں رونے پر نعلین مبارک کو بھی سفرِ معراج کے دوران جنت جانے کا شرف عطا کر دیا۔

شب معراج سدرۃ المنتہیٰ پر جب آقائے مصطفیٰ کریم ﷺ پہنچے تو جبرائیل امین ؑ نے عرض کیا: آقا میری منزل اور میرا مسکن آ گیا ہے، آگے عالمِ ھو اور حدودِ لامکاں اور منزلِ حق تعالیٰ (قاب قوسین) ہے، میں آگے نہیں جا سکتا۔ میرے پَر جل جائیں گے۔

خاکی اور نوری کی گردان الاپنے والو! نوریوں کے سردار جناب جبرائیل ؑ سدرہ پر رک گئے جبکہ پاپوش مبارک کو محبوبِ خدا ﷺ نے دونوں شانیں عطا کر دیں۔ پاپوش مبارک کو خون مصطفیٰ کو اپنے اندر جذب کرنے پر اور سفر طائف کی سنگت کے صدقے شب معراج عرش پر ہمراہِ محمد رسول اللہ ﷺ جانا نصیب ہوا اور جب آپ ﷺ نے جنت کی سیر کی اور جنت ملاحظہ کی تو پاپوش مبارک کو بھی جنت نصیب ہوگئی۔ پاپوش مبارک تیری خوش نصیبی کو سلام۔۔۔ تجھے مصطفیٰ ﷺ کے قرب اور جنت دونوں کا شرفِ عظیم ملا۔

❁❁❁❁❁

ریاستِ مدینہ اور مصطفوی نظامِ حکومت

ریاستِ مدینہ میں قانونِ الٰہی سے کوئی بالاتر نہیں تھا، مشاورت، احتساب
وسائل کی منصفانہ تقسیم اور فلاحِ عامہ ریاستِ مدینہ کی امتیازی شناخت تھے

احسان حسن ساحر

ظہورِ اسلام سے قبل تمام اہلِ عرب اپنے اپنے قبائلی نظام کے اصول و قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔ اسلام نے جہاں ان میں کئی تبدیلیاں پیدا کیں وہاں ایک واضح اور اہم تبدیلی یہ پیدا کی کہ انھیں ملی تنظیم و اتحاد کی صاف ستھری شاہراہ پر گامزن کردیا۔ رسول مکرم ﷺ کی مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد وہاں جو اسلامی ریاست قائم کی گئی اس کے قیام سے یہ شہر ایک مثالی اور پُرامن شہر بن گیا۔ اسی شہر میں اپنی حیاتِ طیبہ کے دس سال گزارنے کے بعد جب سرورِ عالم ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے تو ان کی سعیٔ جمیلہ اور سیاسی حکمت و تدبر کی بدولت تمام اہلِ عرب ایک منظّم و مستحکم قوم بن چکے تھے اور مدینۃ الرسول ﷺ ایک مثالی اسلامی مملکت کے ہیڈ کوارٹر کی حیثیت اختیار کرچکا تھا۔

رسول کریم ﷺ نے اس اسلامی مملکت میں جو نظام رائج فرمایا، وہ نظامِ حکومت اپنی خصوصیات کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھا۔ ذیل میں اس ضمن میں چند اہم خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ قانون کا یکساں اطلاق

ہر طرح کے احکامِ ربانی کا پیغمبرِ اسلام ﷺ اور عام مسلمانوں پر یکساں اطلاق ہوتا تھا اور کسی کو قانونِ الٰہی سے بالاتر نہ سمجھا جاتا۔ جس بات پر قرآن مجید خاموش ہوتا یا جو احکام واضح نہ ہوتے وہاں حضور نبی اکرم ﷺ اپنے تشریعی مقام کے مطابق فیصلہ صادر فرمادیتے۔ چنانچہ مملکتِ اسلامیہ میں بااختیار حاکم اور ناظمِ اعلیٰ خود ذاتِ رسول ﷺ ہوتی۔ اللہ کے برگزیدہ رسول ﷺ ہونے کے ساتھ ساتھ حاکمِ وقت، سپہ سالارِ اعظم اور شعبہ ہائے عدلیہ وانتظامیہ کے منتظمِ اعلیٰ بھی تھے۔ اس خالص مصطفوی حکومت کی بنیاد خاندانی عصبیت اور نسلی تعصب کی بجائے دینی وحدت پر استوار کی گئی تھی۔

۲۔ نظامِ مشاورت

باوجود یہ کہ تمام سرکاری شعبہ جات کا مکمل انتظام و انصرام رسول کریم ﷺ کے پاس تھا۔ تاہم ایک بااختیار حاکم ہونے کے باوجود آپ ﷺ ہر طرح کے امورِ حکومت میں معتبر، صائب الرائے اور عوامی شخصیات سے باقاعدہ مشاورت بھی فرماتے اور اس میں کسی قسم کی جھجک اور شرم محسوس نہ کی جاتی۔ مجلسِ شوریٰ کے اکثر و بیشتر اجلاس مسجدِ نبوی کے صحن میں منعقد ہوتے جن میں بلا امتیاز نسل و رنگ ہر ادنیٰ و اعلیٰ مسلمان کو بلا روک ٹوک شرکت اور اپنا حقِ رائے پیش کرنے کی اجازت ہوتی۔ اگر اس کی پیش کردہ رائے فلاحی، تعمیری اور مثبت ہوتی تو بلاتخصیص اسے (On record) لاکر تسلیم کرلیا جاتا۔ اس کو یہ حق بھی حاصل ہوتا کہ وہ اپنا مشورہ، رائے یا تجویز سرِعام پیش کرے تاہم یہ تمام آراء اور تجاویز ان امور کی بابت قبول کی جاتی تھیں جن کے متعلق وحی الٰہی خاموش ہوتی، نیز یہ بات لازم نہ تھی کہ رسولِ ہاشمی ﷺ اِن مشوروں اور تجاویز پر ضرور عمل بھی فرمائیں۔ آپ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ اکثر اوقات رائے عامہ کو مقدم

رکھتے اور اپنی ذاتی رائے کو اس پر ترجیح نہ دیتے۔

۳۔ ریاستِ مدینہ کا سیکرٹریٹ

کشور اسلامیہ کا سیکرٹریٹ یا پارلیمنٹ ہاؤس کسی وسیع الرقبہ زمین اور جدید و خوبصورت عمارت پر مشتمل نہ تھا بلکہ اس مقصد کے لیے کھجوروں کی ٹہنیوں اور پتوں سے بنی ہوئی مسجد نبویﷺ کو ہی استعمال کیا جاتا تھا۔ اکثر امورِ حکومت اسی میں انجام دیئے جاتے۔ بیرونی ممالک سے آنے والے سفیروں، سرکاری نمائندے اور دیگر وفود اسی مسجد میں حاضر ہوتے اور اسی مسجد سے ہر جاری ہونے والا ضابطہ اور قانون حتمی شکل پا کر نافذ کر دیا جاتا۔

۴۔ نمائندگان مصطفوی حکومت

ہر حکومت سرکاری اور ملکی نظام چلانے کے لیے مختلف شعبہ جات بناتی ہے اور ہر شعبہ کا ایک ناظم مقرر کیا جاتا ہے۔ موجودہ دور کی اصطلاح میں اسے وزیر کہا جاتا ہے۔ نبی اکرمﷺ نے بھی حکومتِ اسلامیہ کو احسن طریقہ پر چلانے کے لیے صحابہ کرامؓ کو مختلف سرکاری فرائض تفویض فرما رکھے تھے:

۱۔ زکوٰۃ و صدقات کی مد میں حاصل ہونے والی اشیاء اور رقوم کا باقاعدہ حساب حضرت زبیر بن العوام اور جہیم بن صامتؓ کے ذمہ تھا۔ وہ اس ضمن میں ہر طرح کے مسائل و معاملات کی دیکھ بھال کرتے۔

۲۔ حذیفہ بن الیمانؓ ریاست میں پیدا ہونے والی کھجور کی فصل سے ملنے والی وہ تمام رقوم جو ایک ٹیکس (Tax) کی صورت میں حکومت کو ملتیں، ان کا حساب رکھتے۔

۳۔ مغیرہ بن شعبہؓ آپس کے لین دین کا ریکارڈ رکھتے۔ جیسے موجودہ دور میں کسی رجسٹرار کا عہدہ ہوتا ہے۔

۴۔ قرآن مجید کی آیاتِ کریمہ کی کتابت کا کام سیدنا عثمان بن عفانؓ اور سیدنا علیؓ جیسی صاحب علم و دانش شخصیات انجام دیتیں، ان کی عدم موجودگی میں یہ کام حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ انجام دیتے۔ اس کے علاوہ ان حضرات کے ذمہ یہ کام بھی تھا کہ دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں ہر طرح کے مکتوبات و مراسلات، مختلف قبائل سے تحریری معاہدات اور عمال و حکام کے نام سرکاری سطح پر جاری ہونے والے احکام اور دیگر ہدایات تحریر کرتے تھے۔

۵۔ موجودہ دور کی حکومتوں میں جس طرح کسی سربراہِ مملکت کا کوئی خاص مشیر (Advisor) یا سیکرٹری جن اختیارات کا مالک ہوتا ہے یہی حیثیت اور اختیارات رسول کریمﷺ کے سیکرٹری حضرت حنظلہ بن ربیعؓ کو حاصل تھے۔ مہرِ نبوت ہمیشہ ان ہی کی تحویل میں رہتی تھی اور بوقتِ ضرورت اہم سرکاری مراسلات و مکتوبات اور دیگر دستاویزات پر ثبت کی جاتی تھی۔

۶۔ مدینہ منورہ اور اس کے مضافات کے تمام معاملات و مقدمات کا فیصلہ سرورِ عالمﷺ خود فرماتے البتہ دور دراز کے علاقہ جات میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے فیصلہ جات اُن صحابہ کرامؓ کی ذمہ داری تھی جو اسلامی حکومت کی طرف سے وہاں متعین ہوتے اور مرکز کی طرف سے انھیں معلّم بنا کر وہاں بھیجا جاتا۔ اِن خدمات کے علاوہ اِن سرکاری معلمین کے فرائض منصبی میں وہاں کے مقامی باشندوں کو اسلامی تعلیمات سے کماحقہ روشناس کرانا بھی شامل تھا۔ ان کے پاس مقدمات اور دیگر متنازعہ معاملات پیش کیے جاتے۔ اِن سب کا فیصلہ قرآن و سنت کے مطابق کیا جاتا، یوں کسی بھی فریق یا فرد کی حق تلفی ہوتی اور نہ کسی پر ذرہ بھر ظلم و زیادتی کی جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ کوئی بھی فرد عدالتِ اسلامیہ کے کسی فیصلہ کو چیلنج نہ کر سکتا تھا اور نہ ہی اس کو کسی اپیل دائر کرنے کی ضرورت پیش آتی۔

۵۔ احتسابی عمل

جہاں تک اصلاحِ ملت کا تعلق ہے، قوم کی تربیت و اصلاح کے لیے صرف اس کے اخلاق و اطوار کو ملحوظِ خاطر رکھ کر قوانین کا نفاذ ہی کافی و شافی نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی دیکھا اور سوچا جاتا ہے کہ ان قوانین پر کہاں تک عمل درآمد ہو رہا ہے؟ دورِ مصطفوی میں اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اگرچہ کوئی شعبہ یا محکمہ وجود میں نہ آیا تھا، تاہم احتسابی عمل انتہائی ذمہ داری سے جاری تھا۔ اکثر اوقات رسول کریمﷺ بذاتِ خود عوام کے اعمال کا احتساب فرماتے۔ مثلاً:

ایک مرتبہ حضور نبی اکرمﷺ بازار سے گزر رہے تھے کہ

ایک تاجر کے ہاں غلے اور اناج کا ڈھیر دیکھ کر رک گئے۔ اپنے دستِ مبارک سے گندم کے ڈھیر کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا تو پتہ چلا کہ نمدار گندم چھپانے کے لیے تاجر نے اس کے اوپر خشک گندم کی تہہ چڑھا رکھی ہے تاکہ خریدار کو ساری گندم سوکھی نظر آئے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے تاجر کو اس بدنیتی پر تنبیہ فرمائی کہ بھیگی ہوئی گندم کو اوپر کیوں نہیں رکھا؟ تاکہ خریدار کو اس جنس کی اصلیت کا پتہ چل سکے۔ فرمایا: یاد رکھو! جو لوگ دوسروں سے فریب کاری کرتے ہیں، وہ ہم میں سے نہیں۔

اسی طرح جو لوگ دور دراز کے علاقوں سے سرکاری ٹیکس کی وصولی کرکے لاتے تو محتسبِ اعظم ﷺ خود اس کا بغور جائزہ اور حساب لیتے اور اس بات پر کڑی نظر رکھی جاتی کہ کسی سرکاری افسر نے ناجائز ٹیکس کی کوئی اضافی رقم تو وصول نہیں کی یا ٹیکس کی وصولی میں کوئی غیر قانونی ذریعہ تو اختیار نہیں کیا؟

ایک دفعہ ایک صحابی نے بطور عامل (Collector) کسی علاقہ سے سرکاری واجبات وصول کیے اور سرکاری خزانہ میں جمع کرانے پر معلوم ہوا کہ یہ رقم حکومتی حساب سے کچھ زیادہ ہے جب اس کی وجہ دریافت کی گئی تو صحابی عرض کرنے لگے کہ یہ رقم اصل رقم سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ وہاں کے مقامی باشندوں نے مجھے بطور ہدیہ دی تھی۔ یہ جواب سن کر رسول اکرم ﷺ نے قدرے برہمی سے ارشاد فرمایا: یہ ہدیہ تمہیں اپنی ماں کی گود میں بیٹھ کر کیوں حاصل نہ ہوا؟ چنانچہ بعد ازاں آپ ﷺ نے ایک سرکاری نوٹیفکیشن کے ذریعے ایک مستقل قانون نافذ فرمادیا کہ دورانِ ملازمت کسی بھی سرکاری اہل کار کو قطعاً یہ حق اور اختیار نہیں کہ وہ اپنے ماتحت علاقہ جات کے لوگوں سے کوئی ہدیہ قبول کرے۔

۶۔صوبائی انتظام و انصرام

ریاستِ مدینہ میں قائم سیدِ عالم ﷺ کا صوبائی انتظام بھی بڑا مؤثر تھا۔صوبہ جاتی حکومت کے تحت ہر صوبہ میں ایک حاکم مقرر کردیا جاتا جو اپنے علاقہ کے امن و امان اور نظم و ضبط کے علاوہ صوبائی افواج کی کمانڈ بھی کرتا۔ اس کے علاوہ ہر قبیلہ میں مرکزی حکومت کی طرف سے ایک عامل کا تقرر بھی ہوتا جو سرکاری امور کی تکمیل بھی کرتا۔ مختلف صوبوں میں مقامی باشندوں کے مقدمات کی سماعت کے لیے ایک قاضی مقرر ہوتا جس کا تقرر یا تو براہِ راست مرکز کی طرف سے ہوتا یا سربراہِ مملکت اس کا حکم جاری کرتا۔عموماً یہ عہدے ایسے لوگوں کو دیئے جاتے جو بطور معلم لوگوں کو اسلام کی تعلیمات سکھانے کے اہل ہوتے۔ اس طرح اِن لوگوں کا تقرر اسلامی تعلیمات کے فروغ کا بہترین ذریعہ بنتا اور علمِ دین کی ضیاء پاشیاں دور دور تک پھیلتی چلی جاتیں۔ یہ دونوں امور اعلیٰ تعلیم یافتہ اسلامی تعلیمات کے ماہر ہی انجام دیتے۔ ایسے قابل صحابہ میں حضرت علی اور حضرت معاذ بن جبل ﷺ جیسے صاحبانِ علم و دانش کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

۷۔حکومتی آمدنی کے ذرائع

باشعور شہری ہونے کی حیثیت سے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حکومتوں کے وسیع تر اخراجات پورے کرنے کے لیے اس ملک کے عوام پر طرح طرح کے ٹیکس عائد کردیئے جاتے ہیں۔ مثلاً: پراپرٹی ٹیکس، انکم ٹیکس، ٹوکن ٹیکس، ویلتھ ٹیکس، سیلز ٹیکس وغیرہ۔ اِن سے وصول ہونے والی آمدنی عوام کے فلاحی کاموں پر خرچ کی جاتی ہے جن میں بجلی کی فراہمی، آب رسانی، سوئی گیس، سڑکوں، پلوں اور تفریح گاہوں کی تعمیر کے علاوہ کئی دیگر منصوبے بھی شامل ہوتے ہیں تاکہ عوام کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں میسر آسکیں۔ عہد نبوی ﷺ میں اسلامی حکومت کی آمدنی کے ذرائع اور ان کے مصرف کے بھی مختلف طریقے موجود تھے۔ مثلاً:

دشمنانِ اسلام سے جتنی بھی جنگیں ہوتی تھیں، ان میں فتح حاصل ہونے کے بعد جو مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آتا اس کا 4/5 حصہ مجاہدین میں بانٹ دیا جاتا اور باقی پانچواں حصہ سرکاری خزانہ میں ڈال دیا جاتا۔ مالِ غنیمت میں ہر طرح کی اجناس کے علاوہ جانور، مویشی، زر و جواہر، لونڈیاں اور غلام بھی شامل ہوتے۔ یہ مال باقاعدہ اور مستقل آمدنی نہ تھی بلکہ یہ مال تو اُس وقت ملتا جب کوئی معرکہ وقوع پذیر ہوتا اور مجاہدین کو فتح ملتی۔ ایک دو مواقع کے علاوہ حضور ﷺ خمس (پانچواں حصہ) نکالنے کے بعد تمام مال جماعتِ صحابہ میں تقسیم فرمادیتے۔ اس مال میں سے سواروں کو دو اور بعض روایتوں کے مطابق تین حصے دیئے

گئے اور پیادہ کو ایک حصہ دیا جاتا۔ کچھ مال درویشوں، محتاجوں، مسافروں اور دیگر مستحق افراد کو دے دیا جاتا۔

علاوہ ازیں زکوٰۃ اور عشر بھی حکومتی آمدنی کے ذرائع میں شامل تھے۔ مزید یہ کہ وہ رقوم جو لوگ اپنی منشاء سے رضا کارانہ طور پر دفاعی اور خیراتی کاموں پر صرف کرنے کے لیے حکومت کو دیتے، انھیں ہدیہ جات، تحائف، صدقات اور عطیات کی مد میں وصول کرکے زکوٰۃ کی طرح استعمال کیا جاتا۔

''جزیہ'' بھی حکومتی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ تھا۔ ریاستِ مدینہ میں رہنے والے غیر مسلم لوگوں کو جنگوں میں حصہ لینے پر مجبور نہ کیا جاتا اور نہ ہی انھیں اسلامی فوج میں بھرتی کیا جاتا، اس رعایت کی وجہ سے اُن سے صرف واجبی ٹیکس وصول کیا جاتا اور یہ رقم بھی کسی کی ذات پر خرچ نہ کی جاتی بلکہ اس کو بھی فوج اور دفاعی کاموں میں صرف کردیا جاتا۔ یہ ٹیکس اُس وقت کی اصطلاح میں ''جزیہ'' کہلاتا۔ جو غیر مسلم اس ٹیکس کی ادائیگی پر برملا اپنی رضا اور مسرت کا اظہار کرتے، اِن کے تمام مال و زر اور جائیداد کی مکمل حفاظت اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہوتی۔

جو لوگ دورانِ جنگ مسلمانوں کی پناہ میں چلے جاتے اور مقررہ جزیہ ادا کردیتے اِن کو عربی زبان میں ذمی کے نام سے پکارا جاتا۔ اگر مسلمان کسی غیر مسلم آبادی یا بستی کی حفاظت کرنے سے معذور ہوتے تو اس مد میں وصول شدہ جزیہ اس بستی کے باسیوں کو واپس کردیا جاتا۔ اگر کوئی غیر مسلم قوم افواجِ اسلام میں شامل ہوکر مسلمانوں کا ساتھ دیتی تو اُن کی اس اخلاقی معاونت پر ان کو جزیہ کی شرط سے مستثنیٰ قرار دے دیا جاتا۔ غیر مسلم جنگی خدمات کے عوض جزیہ کی رقم بڑی خوشی اور رضا مندی سے ادا کردیتے، اس کا یہ فائدہ ہوتا کہ وہ ہر طرح کی داخلی اور خارجی خطرات سے محفوظ و مامون ہوجاتے۔

اس جزیہ کی بابت کچھ غیر مسلم تاریخ نگاروں نے محض مذہبی حسد و بغض اور تعصب کی بنیاد پر یہ کہہ دیا کہ جزیہ ایک جبری مذہبی ٹیکس تھا حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہ ٹیکس کوئی نئی قسم کا نہ تھا جو صرف عہدِ مصطفوی میں ہی ایجاد ہوا بلکہ تاریخ عالم میں اس کی کئی مثالیں پہلے سے بھی موجود ہیں۔ اہلِ فارس (ایران) کی تاریخ بتلاتی ہے کہ ان کے ہاں اس ٹیکس کا وجود پایا جاتا تھا اور ایرانی زبان میں اس کو ''گزیت'' کہا جاتا تھا۔ اسی طرح اہل روم اسے Taibut uncapitis کے نام سے پکارتے ہیں، یعنی وہ ٹیکس جو حکومت فی کس کے حساب سے وصول کرے۔ غیر عربوں کی طرح غیر ایرانی اور غیر رومی بھی اپنے ملک کی حکومتوں کو یہ ٹیکس ادا کرتے تھے۔ البتہ عورتیں بچے ضعیف العمر، پاگل اور اپاہج اس ٹیکس کی ادائیگی سے آزاد سمجھے جاتے تھے۔

جزیہ کے علاوہ غیر مسلم عوام کو مزید ایک ٹیکس دینا ہوتا جسے ''خراج'' یعنی ٹیکس برائے اراضی کہا جاتا تھا۔ جب خیبر فتح ہوا تو قانون کے مطابق وہاں تمام یہودی قبائل نے اپنی تمام زرعی اراضی کو فاتح مسلمانوں کی ملکیت تسلیم کرلیا، سردست مسلمانوں کے پاس کوئی ایسا معقول اور مناسب بندوبست نہ تھا جس سے اس مفتوحہ علاقہ کی زرخیز زمین کی دیکھ بھال اور نگہداشت کرسکیں۔ چنانچہ انھوں نے اس اراضی کو مقامی یہودیوں کی سپرد داری میں رہنے دیا جس کے عوض انھوں نے اپنی کُل پیداوار کا نصف حصہ مسلمانوں کو ادا کرنے کا معاہدہ کرلیا۔ اس وصولی کے لیے جناب عبداللہ ابن رواحہؓ کو ذمہ داریاں تفویض کی گئیں۔ چنانچہ ہر سال وہ خیبر جاکر پیداوار کا طے شدہ حصہ وصول کرتے۔ خیبر کے علاوہ القرہ اور تیما میں بھی خراج وصول کیا جاتا تھا جس سے وصول ہونے والی رقم ملکی دفاع کو مزید بہتر بنانے اور فوجی احتیاجات کو پورا کرنے پر خرچ کی جاتی۔

خلاصۂ کلام

ریاستِ مدینہ اور اس کا مصطفوی نظام حکومت حضور نبی اکرم ﷺ کی بہترین قیادت کا مظہر تھا، یہ اس ہی کا نتیجہ تھا کہ فرزندانِ اسلام دنیا کے لامتناہی اندھیروں میں نورِ ہدایت بن کر پھیل گئے جس کی وجہ سے غیر مسلم اقوام اوّل تو مسلمانوں سے دست و گریبان ہونے کی جسارت ہی نہ کرتیں اور اگر کبھی ایسی نوبت آبھی جاتی تو ان کو منہ کی کھانا پڑتی۔ عہدِ حاضر کا مسلمان بھی اگر رسول کریم ﷺ کی تعلیماتِ نورانیہ اور مصطفوی نظام کو اپنالے تو اس کا عزت و وقار سے زندہ رہنا یقینی امر ہے۔ ❁❁❁❁

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری (چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل)

اللہ رب العزت کی توفیق سے آج شرق تا غرب تحریک منہاج القرآن کی دینی و انسانی خدمات کو اسلام کی ایک مثبت علامت کے طور پر دیکھا جارہا ہے۔ تحریک منہاج القرآن نے اسلام کی پرامن تعلیمات اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فروغ، اتحاد بین المسلمین، بین المذاہب رواداری اور فلاح عامہ کے باب میں جو عملی کردار ادا کیا وہ منہاج القرآن کی چار دہائیوں پر پھیلی ہوئی مساعی کا طرۂ امتیاز ہے۔ میں **42**ویں یوم تاسیس پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد دیتا ہوں۔

ڈاکٹر حسین محی الدین قادری (صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل)

اسلام کی پُرامن اور مثبت شناخت کا نام تحریک منہاج القرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو خیر و برکات تحریک منہاج القرآن پر فرمائی ہیں اُس پر ہم کروڑ ہا شکر بجالاتے ہیں۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے خطابات اور تصانیف کی وجہ سے آج مغربی دنیا اسلام کی تعلیمات کو پڑھ رہی ہے، یہ کامیابی مکالمہ کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے۔ تحریک منہاج القرآن کا علمی سرمایہ آئندہ نسلوں کی امانت ہے۔ میں **42**ویں یوم تاسیس پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد دیتا ہوں۔

بریگیڈیئر (ر) اقبال احمد خان (نائب صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل)

تحریک منہاج القرآن کے **42**ویں یوم تاسیس کے موقع پر میں اندرون اور بیرون ملک کے تمام عہدیداران ذمہ داران، رفقائے کار اور وابستگان کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ تحریک منہاج القرآن کا **4** دہائیوں سے زائد عرصہ پر پھیلا ہوا علمی، فکری، تربیتی سفر ہر اعتبار سے باعثِ رحمت ہے، اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ تحریک منہاج القرآن کے اس شجرِ سایہ دار کو تاقیامت قائم و دائم رکھے اور آئندہ نسلیں مستفید ہوتی رہیں۔

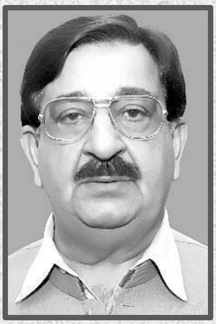

خرم نواز گنڈاپور (ناظم اعلیٰ منہاج القرآن انٹرنیشنل)

تحریک منہاج القرآن نے نوجوانوں کو انتہا پسندی، دہشت گردی اور اندھی تقلید سے بچایا۔ بیداریٔ شعور مہم کے ذریعے نوجوانوں کو یہ فکر دی کہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی تعلیمات کا دفاع اور فروغ حصولِ علم سے ممکن ہے۔ تحریک منہاج القرآن نے اعلیٰ تعلیم کے فروغ کے لئے قابل فخر ادارے قائم کئے۔ تحریک کے تعلیمی اداروں سے علم اور کسب فیض کرنے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ میں **42**ویں یوم تاسیس پر تمام رفقائے کار کو مبارکباد دیتا ہوں۔

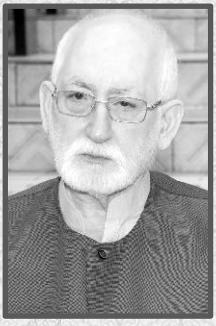

قاضی زاہد حسین (مرکزی صدر پی اے ٹی)

مجھے اس بات پر فخر ہے اور میں اللہ رب العزت کا شکر گزار ہوں کہ مجھے تحریک منہاج القرآن اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری سے نسبت حاصل ہے۔ تحریک منہاج القرآن نے اتحادِ اُمت، فروغِ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فروغِ علم و امن کے لئے رواں صدی کے اندر جو خدمات انجام دی ہیں وہ ہر اعتبار سے مثالی، لائق تقلید اور لائق فخر ہیں۔ میں اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تحریک منہاج القرآن کا فکری سایہ تا قیامت اُمہ کے سر پر قائم و دائم رکھے۔

مفتی امداد اللہ قادری (مرکزی صدر منہاج القرآن علماء کونسل)

تحریک منہاج القرآن کو یہ اعزاز اور امتیاز حاصل ہے کہ اس تحریک کے پلیٹ فارم سے اُمہ کو درپیش علمی وفکری مسائل کا عصری تقاضوں کے مطابق قرآن وسنت کی روشنی میں جامع حل پیش کیا گیا ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری عالم اسلام کی وہ پہلی نابغہ روزگار شخصیت ہیں جنہوں نے اُمہ کو 7 سو شائع شدہ کتب کا تحفہ دیا اور کوئی ایسا موضوع نہیں ہے جس پر شیخ الاسلام نے علم وحکمت کے موتی نہ بکھیرے ہوں۔ میں 42 ویں یوم تاسیس پر تحریک سے وابستہ تمام علماء کو مبارکباد دیتا ہوں۔

گنبدِ خضریٰ کا فیضان منہاج القرآن

چیئرمین سپریم کونسل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی خصوصی گفتگو

اللہ رب العزت کا بے پایاں لطف وکرم اور احسانِ عظیم ہے کہ اُس کے فضل ورحمت اور آقا علیہ السلام کے نعلین پاک کے تصدق سے ہمیں منہاج القرآن کی صورت میں تجدید و احیائے دین اور اصلاحِ احوال کی عالمگیر تحریک عطا ہوئی۔ بلاشبہ آج اس زمانہ میں منہاج القرآن اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے اور ہمیں یہ نعمت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے ذریعے ملی۔ حقیقت کی نگاہ سے دیکھیں تو تحریک منہاج القرآن کا پورا وجود شیخ الاسلام کی ذات سے پیوستہ ہے اور تحریک کے وجود کو جتنا نور اور کرنیں ملی ہیں، وہ شیخ الاسلام کی ذات کے سبب سے ہی ہیں۔ منہاج القرآن کی پوری فکر، اس کا نیٹ ورک، نظام، ادارے اور اُس کی سوچ، نظریے، فلسفے اور اُس کے اندر کارفرما روح کو اگر وسیع تناظر میں دیکھیں تو وہ تحریک کی شکل میں ہمارے سامنے ہے اور اگر اُس کو Micro لیول پر دیکھیں تو وہ شیخ الاسلام کی ذات ہے۔ یعنی شیخ الاسلام کی ذات کی عملی شکل تحریک ہے اور اس تحریک کی روحانی صورت شیخ الاسلام کا وجود ہے۔ روح؛ شیخ الاسلام ہیں اور جسم منہاج القرآن ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری عطائے مصطفیٰ ﷺ ہیں اور اس عطاء کا عملی پیکر اور نمونہ منہاج القرآن ہے۔

یہ عظیم تحریک الحمدللہ تعالیٰ 42 سال پر محیط ایک سفر طے کرچکی ہے اور اس سفر کے دوران لاتعداد کامیابیاں اس کے دامن کی زینت ہیں اور ان شاء اللہ اِن کامیابیوں کا سلسلہ آئندہ بھی بتوفیقِ الٰہی جاری و ساری رہے گا۔ منہاج القرآن کو ہمہ جہتی حوالے سے ملنے والی تمام تر کامیابیاں حضور نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث مبارکہ کے مصداق ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تَرَکْتُ فِيْکُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا: کِتَابَ اللهِ وَ سُنَّةَ نَبِيِّهِ وفی روایة إِنِّي تَارِکٌ فِيْکُمُ الثَّقَلَيْنِ: کِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِي. (مالک، الموطا، کتاب: القدر، باب: النھی عن القول بالقدر، ۲: ۸۹۹، رقم: ۱۵۹۴) (ترمذی، السنن، کتاب: المناقب، عن رسول اللہ ﷺ، باب: مناقب اھل بیت النبی ﷺ، ۵/۶۶۳، رقم: ۳۷۸۸)

میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں اگر انہیں تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے یعنی اللہ کی کتاب اور اُس کے نبی کی سنت۔ دوسری روایت میں ہے کہ بیشک میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب اور دوسری میرے اہل بیت۔

اس حدیث مبارکہ میں کسی خاص زمانے یا کسی خاص گروہ کو نہیں فرمایا کہ جب تک تم جڑے رہو گے بلکہ فرمایا جو بھی جڑا رہے گا، جب تک جڑا رہے گا، جس زمانے میں جڑا رہے گا، اُس کو خیرات اسی تمسک سے ملے گی۔ منہاج القرآن کو حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ سے جو عطاء میسر ہے، وہ اسی نسبت سے ملی ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا ایک ہاتھ قرآن مجید پر ہے اور دوسرا ہاتھ اہل بیت اطہار کی دہلیز پر ہے۔ تحریک

کو ایک فیض قرآن مجید کا مل رہا ہے اور ایک فیض اہل بیت اطہار سے نصیب ہورہا ہے۔ یہ دونوں فیض مرج البحرین کی شکل تحریک منہاج القرآن میں جاری و ساری ہیں۔

تحریک منہاج القرآن اور اس کے روح رواں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے ہاں ہمیں جو اخلاص، صدق، زبان کی تاثیر، علمی وفکری وسعت اور احیائے اسلام وتجدیدِ دین کی کاوشیں نظر آتی ہیں کہ اِن کے سبب اندھیرے چھٹ رہے ہیں اور علم و آگہی کا نور پھیل رہا ہے، عقیدے بحال ہورہے ہیں، انسانیت کی خدمت، خیر اور برکت کے چشمے رواں ہیں، یہ سب قرآن مجید اور اہل بیت اطہارؓ سے متمسک ہونے کا فیض ہے۔

منہاج القرآن مہمان خانہ مصطفیٰ ہے اور اس مصطفوی مشن کی نوکری ایک سعادت ہے۔ اس سعادت پر شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ یہ خدشہ بھی ہمہ وقت دل و دماغ میں رہے کہ کہیں ہم اپنی بے عملی کی وجہ سے اس سعادت سے محروم نہ ہوجائیں

تحریک منہاج القرآن ایک تجدیدی تحریک ہے اور شیخ الاسلام مجدد رواں صدی ہے۔ اس تحریک اور اس کی قیادت میں اللہ تعالیٰ نے گزشتہ تمام شیوخ الاسلام اور مجددین کے رنگ جمع فرمادیئے ہیں اور تحریک اور شیخ الاسلام کو ان تمام کے اوصاف کا جامع بنایا ہے۔ اللہ رب العزت نے ان تمام اوصاف وکمالات کو آقا علیہ السلام کے اس مہمان خانے یعنی منہاج القرآن میں جمع کردیا ہے۔

تحریک کے رفقاء و کارکنان، وابستگان اور محبت کرنے والے خوش قسمت ہیں کہ وہ صرف اور صرف حضور علیہ السلام کے مہمان خانے کے نوکر ہیں۔ یاد رکھیں کہ ہم اور کچھ نہیں، اگر ہیں تو حضور ﷺ کے مہمان خانے کے نوکر ہیں۔ جس در پر بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ سے خیرات آرہی ہو۔۔۔ جس مقام کو حضور ﷺ کی بارگاہ کی قربت حاصل ہو۔۔۔ وہاں رہ کر نوکری کرنا بڑے اعزاز کی بات ہے۔ ہر وہ مقام جہاں حقیقی معنوں میں حضور ﷺ کا فیض بٹتا ہے، وہ حضور ﷺ کا مہمان خانہ ہے۔

جب منہاج القرآن حضور نبی اکرم ﷺ کا مہمان خانہ ہے اور ہم اس مہمان خانے کے نوکر ہیں تو سوال یہ ہے کہ ہمیں نوکر کس نے بنایا ہے۔۔۔؟ اُس نوکری کے بھی تو کچھ تقاضے ہیں، نوکر ایسے ہی تو نہیں بنائے جاتے، اس کی بھی کہیں نہ کہیں سے سلیکشن ہوتی ہوگی۔ مثلاً: اگر ہم نے کسی کو ملازم رکھنا ہو تو کسی بندے کے انٹرویو کے لیے آنے سے لے کر اس کے بیٹھنے اور انٹرویو دے کر جانے تک کی اداؤں کو دیکھتے اور اس کی ہر شے کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔ اس کے اٹھنے بیٹھنے اور بولنے کے سب انداز دیکھتے ہیں۔ اُس کے اخلاق، چہرے کے تاثرات اور اُس کی اہلیت دیکھی جاتی ہے۔ پھر اُس کا data دیکھا جاتا ہے، اُس کے ریفرنس دیکھے جاتے ہیں، اُس کی تعلیم اور تجربہ دیکھا جاتا ہے کہ کہاں کہاں سے پڑھا ہے، کیا گریڈ لیے ہیں، کہاں کہاں اور کتنا کتنا عرصہ نوکریاں کی ہیں، دورانِ ملازمت اس کی استقامت کا لیول کیا رہا ہے، کیا بار بار نوکریاں تبدیل کرتا رہا ہے، یا استقامت کے ساتھ کسی ایک در پر بیٹھا رہا ہے۔ اگر کافی عرصہ ایک ہی جگہ کام کیا تو اس کا مطلب ہے کہ وفادار بن کر رہا ہے اور اگر کبھی دو مہینے اِدھر کبھی اُدھر تو اس کا مطلب ہے کہ وہ کسی در کا نہیں ہوسکتا۔ جو در در سے کھاتا ہے، وہ کسی در کا نہیں ہوتا اور ہر در سے ٹھکرایا جاتا ہے۔ جو ہر دور پر جھکتا ہے اور چکتا ہے اور پھر کسی دوسرے در پر چلا جائے تو اسے قبول نہیں کیا جاتا۔ در در پر جھکنے والا بے در ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں نوکر اور ملازم رکھنے کے لیے امیدوار کا خاندانی پسِ منظر، جس جگہ مقیم ہے وہاں سے اس کے بارے معلومات اور تعلیمی میدان میں اس کے تخصص کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے کہ تعلیمی میدان میں بھی ایک ہی مضمون کو اختیار کیے رکھا یا بدلتا رہا۔ اگر گریجوایشن ایک فیلڈ میں کی، ماسٹرز دوسری فیلڈ میں کیا، ایم فل کسی اور موضوع پر ہے اور Ph.D کسی اور میدان میں کررہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اسے معلوم ہی نہیں کہ اس نے کیا کرنا ہے، اس کو سکون نہیں، اس کو اپنی معرفت ہی نہیں۔ اُس کی طبعیت، مزاج اور شخصیت میں یکسوئی نہیں ہے۔

شیخ الاسلام اور منہاج القرآن کے ہاں جو اخلاص، صدق، تاثیر، علمی و فکری وسعت اور احیاء اسلام کی کاوشیں نظر آتی ہیں یہ سب قرآنِ مجید اور اہلِ بیت اطہارؓ سے متمسک ہونے کا فیض ہے

واضح کرنا یہ مقصود ہے کہ جب ہم نے کسی بندے کو دنیاوی نوکری پر رکھنا ہو تو یہ سارے تردّد کیے جاتے ہیں اور اگر کسی کو ملازم اور نوکر رکھ بھی لیں تو پہلے دن سے ہی اسے مستقل نہیں کرتے بلکہ عارضی رکھتے ہیں کہ کارکردگی کی بنیاد پر مستقل کیا جائے گا ور پھر اگر اس سے دو تین ماہ مطمئن اور خوش ہوں تو مستقل کرتے ہیں۔

اب اس بات کو دوسرے تصور میں لے کر آئیں کہ منہاج القرآن کے رفقاء و کارکنان ہونے کی صورت میں ہم کس کے نوکر ہیں۔۔۔؟ ہم آقا علیہ السلام کے نوکر ہیں۔حضور علیہ السلام نے اپنی نوکری کے لیے جسے ذمہ داری سونپی ہے وہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری ہیں۔ اب آگے اس مصطفوی مشن اور مہمان خانہ مصطفیٰ کی نوکری دینا شیخ الاسلام کے ذمے ہے کہ نوکر میرے ہیں مگر میرے طاہر! ان کو رکھنا آپ کی ذمہ داری ہے۔ گویا شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی ذمہ داری ایک نگران، انچارج اور امین کی سی ہے۔ اب مصطفوی مشن کی صورت میں اس نوکری کے جو تقاضے ہیں، اس کے مطابق نوکری اور ذمہ داری تفویض کرنا اور ان تقاضوں کو ملحوظ رکھنا شیخ الاسلام کی ذمہ داری ہے۔ وہ اپنے مالک سے پوچھ کر اور ان کی رضا مندی کے مطابق ہی اس مصطفوی مشن کی ذمہ داریاں سونپتے ہیں۔

اب سمجھ لیں کہ جب ہم کچھ بھی نہیں۔۔۔ ہماری کوئی اوقات اور کوئی وجود ہی نہیں۔۔۔ ہماری کوئی طاقت، حیثیت اور وقعت ہی نہیں۔۔۔ سب کچھ ہم سے ماورآء ہمارے صدق و اخلاص، محبت، اخلاق، نرمی، محنت اور للّٰہیت کو دیکھتے ہوئے کسی اور مقام پر ہی طے ہونا ہے تو ہم کس چیز پر اِتراتے اور فخر کرتے ہیں۔۔۔؟ ہم تو تصور کر بیٹھے ہیں کہ یہ ہماری ملکیت ہے۔ بھئی ہماری اور آپ کی کیا ملکیت، ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہمارا عارضی دورانیہ ہے یا مستقل کردیئے گئے ہیں۔۔۔؟ ابھی تو ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ قبول بھی کرتے ہیں یا نہیں کرتے۔۔؟

یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ . کے مصداق وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے ٹھکرا دیتا ہے۔ لہذا اس مہمان خانۂ مصطفیٰ اور اس مصطفوی مشن کی نوکری کی سعادت جسے میسر ہے، وہ اپنے آپ کو خوش قسمت تو تصور کرے مگر ہمہ وقت یہ خدشہ بھی اس کے دل و دماغ میں رہے کہ نہ جانے کب حضور ﷺ کس بات پر ناراض ہوجائیں اور میں اپنی بے عملی و بدعملی کے سبب اس مصطفوی مشن کی خدمت سے محروم ہوجاؤں۔

لہذا ہم پر لازم ہے کہ ہم تجدید و احیائے دین اور اصلاحِ احوال کے اس عظیم مصطفوی مشن کی علمبردار تحریک منہاج القرآن اور شیخ الاسلام کی صورت میں حاصل اس نعمت پر اللہ کی بارگاہ میں شکر بجا لائیں۔۔۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں سراپا ادب و نیاز بنے رہیں۔۔۔ اور اس مصطفوی مشن کے فروغ کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں اور قابلیتوں کو خلوصِ دل سے انجام دیتے رہیں۔ یہ تصور ہمیشہ دل و نگاہ میں جاگزیں رہے کہ جب یہ مہمان خانہ مصطفیٰ ہے تو حضور ﷺ کی نگاہ اپنے اس مہمان خانے پر تو پڑتی ہوگی اور وہ یہ ملاحظہ کرتے ہوں گے کہ کون یہاں کس کس طرح خدمات سرانجام دے رہا ہے؟ پس اپنی اداؤں سے اپنی سرکار ﷺ کو منا لیں۔

منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے خدمات سرانجام دیتے ہوئے یہ تصور ہی نہیں بلکہ یقین رکھا کریں کہ یہ حضور ﷺ کی بارگاہ کا کام ہے۔ اُن ہی کی توفیق اور نظرِ کرم سے ہم اس ذمہ داری کے قابل ہوئے، ہمارا اپنا کچھ نہیں۔

تحریک منہاج القرآن اور شیخ الاسلام میں اللہ تعالیٰ نے گزشتہ تمام مجددین اور تجدیدی تحاریک کے رنگ جمع فرما دیئے ہیں اور انھیں ان تمام کے اوصاف و کمالات کا جامع بنایا ہے

ہمہ وقت اللہ کی بارگاہ میں شکر ادا کیا کریں کہ مولیٰ! تیرا شکر اور کرم ہے کہ ہمیں اللہ والوں کی صحبت و مجلس عطا فرمائی۔ یہ در میسر نہ آیا ہوتا تو نہ جانے ہم کہاں ہوتے۔۔۔ ہمارے رات دن نہ جانے کیسے بسر ہوتے۔۔۔ زندگی کھیل کود میں بسر ہوتی۔۔۔ نہ اپنی کوئی خبر ہوتی نہ تیری فکر اور تیرا ذکر ہوتا۔۔۔ اور جب قبر کی رات آتی فرشتے پوچھتے کہ بتا تو اس مقام پر ہم بے بس ہو جاتے۔ مولیٰ! تیرا شکر کریں کہ ہمیں وہ مل گئے جن کے سبب ہم زندگی کے مقصد سے آشنا ہوگئے اور جنھوں نے ہمیں تجھ سے اور تیرے پیارے محبوب ﷺ سے آشنا کر دیا۔

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ انسان نوکری کر کے بھی اور ذمہ داریاں پوری کر کے بھی اپنا آپ نہ دکھائے کہ یہ میں نے کیا ہے۔ بس یہ تصور ہی نہیں بلکہ یقین کرے کہ یہ حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ کا کام ہے، اُنہوں نے کروا لیا ہے۔ لہٰذا اس مصطفوی مشن میں خدمات سرانجام دیتے ہوئے وقت کو نہ دیکھیں کہ وقت گزر گیا۔ نوکروں کا کام وقت دیکھنا نہیں ہے بلکہ اُس وقت کا انتظار کرنا ہے کہ جب قبولیت ہو جائے۔ اِس وقت کو نہ دیکھیں بلکہ اُس وقت کو دیکھیں کہ جب ان کی بارگاہ میں خدمت اور نوکری قبول ہو جائے۔

ہم سمجھتے ہیں ہماری بات اور کام پر واہ واہ ہو جائے جبکہ سربلندی اور واہ واہ خدا کے دین اور اس کی تعلیمات کی ہونی چاہیے۔ لہٰذا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رفعت کے لیے کام کیا کریں۔۔۔ آقا ﷺ کی ناموس اور اس دین کی کی سربلندی کے لیے کام کریں۔۔۔ اس مصطفوی مشن تحریک منہاج القرآن اور شیخ الاسلام کی سربلندی کے لیے کام کریں۔ اس دوران اگر کہیں معاشرے میں پذیرائی ملے تو یہ تصور کیا کریں کہ میرا تو کچھ بھی نہیں۔۔۔ میں تو وہ ایاز ہوں کہ جو اپنا صندوق کھول کر باقاعدگی سے روزانہ پھٹے پرانے اپنے اُن کپڑوں کو دیکھتا جو اس وقت اس کا لباس تھے جب وہ پہلی مرتبہ محمود غزنوی کے دربار میں آیا تھا۔ ان کپڑوں کو دیکھ کر وہ سوچتا کہ اے ایاز! تیری کیا مجال تھی کہ تو یہاں پہنچ سکے۔ یہ تو مالک کا کرم ہے کہ تجھے یہاں پہنچا دیا۔

اس کرم کا کروں شکر کیسے ادا
جو کرم مجھ پہ میرے نبی کر دیا

یعنی یہ تو حضور ﷺ کا کرم ہے۔۔۔ یہ اس مصطفوی مشن کی خیرات ہے۔۔۔ یہ تحریک سے وابستہ ہونے اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی مجالس اور صحبتوں کا اثر ہے کہ آج دنیا مجھے پہچان رہی ہے۔۔۔ درحقیقت یہ پذیرائی میری نہیں بلکہ میرے آقا ﷺ کی ہے۔۔۔ دین اسلام کی ہے۔۔۔ میرے قائد کی ہے۔۔۔ میں تو کچھ بھی نہیں۔ ہمارا مطمع نظر یہ ہو کہ ہم تو جن سے منسوب ہیں وہ بلند ہوجائیں اور اُن کے قدموں کے صدقے ہماری بھی نجات ہوجائے۔۔۔ ہم بھی اس خدمت کے صدقے ان کی نظروں میں آجائیں کہ یہ بھی میرے دین کا خدمت گزار ہے۔۔۔ وہ ہمارا ذکر بھی اپنی باتوں میں کبھی کر دیں کہ یہ میرا غلام ہے۔۔۔ اور میری تعلیمات کے فروغ کے لیے صبح و شام سرگرداں ہے۔

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ. وَإِنْ مَاتَ جَرَى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِي كَانَ يَعْمَلُهُ وَأُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ وَأَمِنَ الْفَتَّانَ.

(مسلم، الصحيح، كِتَابُ الْإِمَارَةِ، بَابُ فَضْلِ الرِّبَاطِ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، ۳: ۱۵۲۰، رقم: ۱۹۱۳)

ایک دن اور ایک رات سرحد پر پہرہ دینا ایک ماہ کے روزوں اور قیام سے بہتر ہے۔ اور اگر وہ مرگیا تو اس کا وہ عمل جاری رہے گا، اس کا رزق جاری رہے گا اور اس کو قبر کے فتنوں سے محفوظ رکھا جائے گا۔

اندازہ لگالیں کہ اگر اسلامی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت پر اتنا اجر ہے تو اسلامی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت اور آقا ﷺ کی دین کی خدمت کے لیے مارے مارے پھرنا، کاوشیں کرنا اور مصائب و مشکلات کو برداشت کرنے کا کتنا عظیم اجر ہوگا۔

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی خاطر کی جانے والی اس نوکری اور خدمت کے دوران اگر موت آ گئی تو فرمایا کہ اُس کا اجر نہیں رکے گا بلکہ اُس کا اجر جاری رہے گا۔ پتہ چلا کہ بندہ قبر میں چلا جائے گا مگر اس نوکری کا اجر اسے روزانہ مل رہا ہوگا۔ یہ امر بھی نہایت قابلِ غور ہے کہ اگر ایک دن رات کی ڈیوٹی اور نوکری کا اجر یہ ہے تو وہ بندہ جو سالہا سال سے حضور ﷺ کے دین کی نوکری کررہا ہے، اس کے اجر اور درجات کی بلندی کا عالم کیا ہوگا۔

لہٰذا تحریک اور اس مصطفوی مشن کے لیے دیئے گئے وقت اور قربانیوں کو شمار نہ کیا کریں۔ ہم اپنے وقت اور قربانیوں کا ذکر کرکے کس پر احسان جتلا رہے ہیں۔۔۔؟ کیا ہم حضور ﷺ کو بتا رہے ہیں کہ یا رسول اللہ! ہم نے یہ آپ کے لیے کیا۔۔۔؟ غلام بھی کبھی آقا کو بتائے گا کہ آقا آپ کے لیے کیا۔۔۔؟ نہیں، نہیں، نہیں۔ ان چیزوں کو دلوں سے نکال دیں۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے اور مصطفوی مشن اور اس تحریک کی صورت میں حاصل نعمت پر کبھی احسان مت جتلائیں۔ کہیں اس روّیہ سے ہم اپنے آپ کو اس خدمت سے محروم نہ کر بیٹھیں۔ یہی تو ہے جو یہاں اور وہاں کام آنے والا ہے۔

دنیا بھر میں قائم منہاج القرآن کے مراکز پر خدمات سرانجام دینے والے یاد رکھیں کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے اس مشن کے امین ہیں۔ اس تحریک کا ہر اثاثہ اور ہر چیز حضور نبی اکرم ﷺ کی امانت ہے۔ خدا کی عزت کی قسم! شیخ الاسلام اتنی فکر اپنے ذاتی پیسوں کی نہیں کرتے، جتنے منہاج القرآن کے پیسوں کی کرتے ہیں۔ حتی کہ اپنی عمر بھر کی کمائی بھی منہاج القرآن کے نام وقف کر رکھی ہے۔ لہٰذا رفقاء و کارکنان کو بھی اس مصطفوی مشن میں اپنے قائد کی پیروی کرنی چاہیے۔ پیسوں سے محبت نہ کریں بلکہ اس مشن سے محبت کریں۔ اس مشن اور اس کی ایک ایک شے اور اثاثہ کی حفاظت اور فکر کریں۔

حضور ﷺ نے اسلامی جغرافیائی سرحدوں پر ایک رات کے پہرہ دینے کو ایک ماہ کے روزوں اور قیام سے بہتر قرار دیا ہے تو اندازہ لگائیں کہ اسلامی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لیے مشکلات برداشت کرنے پر کتنا اعلیٰ اجر ہوگا۔

یاد رکھیں! شیخ الاسلام سمیت ہم میں سے کوئی اس مصطفوی مشن کا مالک نہیں، اس کے مالک صرف اور صرف حضور نبی اکرم ﷺ ہیں۔ ہم تو یہاں صرف نوکر ہیں۔ نوکر خرچ نہیں کرتا بلکہ مالک خرچ کرتا ہے اور جب مالک کسی کو ذمہ داری دے تو وہ خرچ کرتا ہے مگر یہ امین بھی تو اپنے مالک کو جوابدہ ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری اور ہم یہاں پر اس امانت پر جو حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں دی ہے، اس کے امین ہیں۔ اگر اچھے امین ہو گئے تو اچھے خادم اور نوکر ہو جائیں گے اور یہ نوکری چلتی رہے گی اور کل جب ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پہنچیں گے تو ہمارا نام بھی ان کے مقدس لبوں پر فخریہ انداز میں موجود ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس مصطفوی مشن کی خدمت کی توفیق مرحمت فرمائے۔۔۔ ہمیں مزید ہمت و حوصلہ سے نوازے۔۔۔ ہماری جدوجہد قبول فرمائے۔۔۔ ہمیں استقامت، عاجزی اور انکساری کے ساتھ تحریک منہاج القرآن کے ساتھ وابستہ رہنے اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا دست و بازو بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس لیے کہ جن پیڑوں پر پھل لگتے ہیں وہ جھکے ہوئے ہوتے ہیں اور جن پر کچھ نہیں لگتا وہ اکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ خدا اور مصطفیٰ ﷺ کو جھکے ہوئے پسند ہیں، اسی لیے جھکنے میں عظمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین و دنیا کی بھلائیاں اور سلامتی عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سیدالمرسلین ﷺ

❋❋❋❋❋

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے۔۔۔ کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

رحمتِ حق کو متوجہ کرنے کے ذرائع

صدقات و خیرات، انفرادی و اجتماعی توبہ، اعمالِ صالح کی کثرت

پروفیسر محمد الیاس اعظمی

یہ دنیا خوشی و مسرت، رنج و آلام کے لمحات اور راحت و آسائش اور آفات و مصائب کی کیفیات کے مدوجزر میں اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے اور یہ قیامت تک جاری رہے گا۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ اس دنیوی زندگی میں انسان کو جو رنج وغم اور تکلیف پہنچتی ہے، تو دراصل یہ بیماریاں ہماری اپنی ہی خرید کردہ ہیں۔ جب انسان الوہی احکام اور نبوی ہدایات سے منہ موڑ کر امورِ حیات کو سرانجام دیتا ہے تو پھر وہ کسی بھی طرح ان کے بڑے نتائج سے نہیں بچ سکتا۔ یہ انسان کی نادانی اور کج فہمی ہے کہ وہ اپنی بداعمالیوں، گناہوں اور نافرمانیوں کی شامت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کردیتا ہے حالانکہ اس کی تو شان یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی قوت و طاقت، اقتدار و اختیار، ملک وملکیت رکھنے کے باوجود اپنے کمزور و ناتواں بندوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اسی لیے وہ لوگوں کی کوتاہ فکری اور کم عقلی کی اصلاح کرتے ہوئے فرماتا ہے:

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ. (آل عمران،۳: ۱۸۲)

’’یہ ان اعمال کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھ خود آگے بھیج چکے ہیں اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔‘‘

قرآن مجید میں یہ بات چار مرتبہ فرمائی گئی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ لوگو! تم اس دنیا میں جن مصائب و مشکلات، رنج و الم کا سامنا کرتے ہو، یہ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے۔ وہ تو رحمٰن و رحیم ہے جو ہر وقت اپنی رحمتوں کا سائبان تم پر تانے ہوئے ہے۔ اس لیے اس دنیا میں انسان کو جن آفات و بلیات، مصائب، مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آلارم اور تنبیہ ہوتی ہے کہ انسان اپنی بداعتقادیوں اور بداعمالیوں سے صدقِ دل کے ساتھ توبہ کرکے راہِ راست کی طرف آجائے اور اپنی اصلاح کرکے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بن جائے۔

سوسرکشی و نافرمانی کی تمام حدوں کو پھلانگ جانے والی قوم کو اللہ جل جلالہ اپنی اس حکمتِ بالغہ کے ساتھ تنبیہ کی غرض سے کبھی بڑے اور کبھی چھوٹے پیمانے پر مختلف شکلوں اور صورتوں میں جھٹکے دے کر جھنجھوڑتا رہتا ہے تاکہ لوگ راہِ ہدایت کی طرف گامزن ہوکر اس کی بندگی کا قلادہ اپنے گلے میں ڈال کر اس کے حضور جھک جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی جانے والی تنبیہات کبھی زلزلوں، کبھی سیلاب، کبھی بارشوں، کبھی بیماری، کبھی باہمی تنازعات، کبھی دشمن کے خوف، کبھی خشک سالی اور کبھی باغات اور کھیتوں کے اجڑ جانے کی صورت میں ہوتی ہیں۔ ان تنبیہات کا مقصد چونکہ غفلت سے بیدار کرنا ہوتا ہے، اس لیے معاشرے کے تمام طبقات حتی کہ نیک و صالح لوگ بھی اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں اور فساق و فجار بچ بھی جاتے ہیں۔ اس لیے دنیا میں پہنچنے والی ان تکالیف و مشکلات یا ایسی آزمائشوں اور آفات سے بچ جانے اور محفوظ رہنے کو حقیقی کامیابی یا ناکامی قرار نہیں دیا گیا۔ ایسی اذیت ناک آزمائش کے دوران جو موت

کی آغوش میں چلے گئے، اُن کا معاملہ تو احکم الحاکمین کے دستِ قدرت میں ہے مگر جو بچ گئے اگر انھوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت وگرفت سے بچ جانے پر اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے عقیدہ و اعمال کی اصلاح کرلی، آئندہ اس کی نافرمانی سے باز رہنے کا عہد کیا اور پھر اس پر ثابت قدم رہے تو وہ باقی ماندہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے حقدار ٹھہرائے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادگرامی ہے:

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ. وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ.

’’اور ہم ان کو یقیناً (آخرت کے) بڑے عذاب سے پہلے قریب تر (دنیوی) عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے تاکہ وہ (کفر سے) باز آجائیں۔ اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جسے اس کے رب کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی جائے پھر وہ اُن سے منہ پھیرلے، بے شک ہم مُجرموں سے بدلہ لینے والے ہیں۔‘‘ (السجدہ، ۳۲: ۲۱، ۲۲)

مذکورہ آیت کی تفسیر میں پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابدی عذاب میں گرفتار ہونے سے پہلے ان غافلوں اور سرکشوں کو ہم طرح طرح کی مصیبتوں اور رنج والم میں مبتلا کردیتے ہیں تاکہ وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہوکر اپنی اصلاح کرلیں اور عذاب جہنم سے بچنے کی تدبیر سوچ لیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے کہ وہ کسی تکلیف اور مصیبت کو انسان کی اصلاح کا ذریعہ بنادیتا ہے۔ وہ نعمت و راحت جو انسان کو غافل اور سرکش بنادے، اس سے وہ مصیبت ہزار درجہ بہتر ہے جو انسان کو گناہوں سے باز رکھنے کا سبب بن جائے۔ لعلھم یرجعون میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (پیر محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، ۳: ۶۳۶)

آیات مذکورہ السجدہ میں عذابِ اکبر کے مقابلہ میں عذابِ ادنیٰ کا ذکر کیا گیا ہے۔ عذابِ اکبر تو وقوعِ قیامت کے بعد ہوگا جس میں کفار و مشرکین ہمیشہ مبتلا رہیں گے مگر عذابِ ادنیٰ سے مراد وہ تکلیفیں ہیں جو اس دنیا میں انسان کو پہنچتی ہیں۔ مثلاً

اس دنیا میں رہتے ہوئے ہم جن مشکلات و مصائب اور آفات و بلیات کا سامنا کرتے ہیں، وہ ہمارے ہاتھوں کی کمائی اور شامتِ اعمال ہوتی ہے۔ بلاسبب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو رنج و غم میں مبتلا نہیں کرتا

بیماریاں، المناک حادثے، مالی نقصانات، کوشش کے باوجود ناکامیاں، اجتماعی زندگی میں قحط و خشک سالی، زلزلے، وبائی امراض، باہمی لڑائی جھگڑے، معاشرتی فسادات، گھریلو ناچاقی، خاندانی و قبائلی تنازعات اور دیگر بہت سی آفات و بلیات ہیں جو ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں انسانوں اور بستیوں، شہروں بلکہ ملکوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔ ان تمام کے نازل کرنے کا مقصد اور حکمت یہ ہوتی ہے کہ کفار و مشرکین اور فساق و فجار ان چھوٹے چھوٹے عذابوں کو دیکھ کر اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کرلیں تاکہ وہ قیامت کے بڑے عذاب سے بچ جائیں۔

اسی تصور کو واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مزید فرماتا ہے:

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. (الانفال، ۸: ۲۵)

’’اور اس فتنہ سے ڈرو جو خاص طور پر صرف ان لوگوں ہی کو نہیں پہنچے گا جو تم میں سے ظالم ہیں (بلکہ اس ظلم کا ساتھ دینے والے اور اس پر خاموش رہنے والے بھی انہی میں شریک کر لیے جائیں گے) اور جان لو کہ اللہ عذاب میں سختی فرمانے والا ہے۔‘‘

جب معاشرے میں اخلاقی نجاستیں اور معاشرتی برائیاں اس قدر عام ہوجائیں کہ ہر طرف ان کا تعفن اور اثراتِ بد پھیل جائیں تو پھر اس کی لپیٹ میں صرف گندے اور بُرے اخلاق والے لوگ ہی نہیں آتے بلکہ اخلاقی تعفن میں رہنے والا ہر انسان خواہ وہ خوش خلق ہے یا بدخلق، وہ اس تعفن سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس لیے کہ اخلاقی امراض اور برائیاں جب تک بعض افراد تک محدود رہتی ہیں، وہ معاشرے کے صالح افراد کے اثر و رسوخ کی وجہ سے دبی رہتی ہیں اور معاشرے اور سماج پر ان کے اثرات محدود ہونے کی وجہ سے نقصانات بھی کم

ہوتے ہیں لیکن اگر اُن کی اصلاح کرنے کی تمام آوازیں خاموش اور کوششیں بند کردی جائیں تو اخلاقی بیماریوں کے مہلک جراثیم اور زہریلے اثرات افرادِ معاشرہ کی اکثریت یا تمام افراد کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ اس سے اجتماعی ضمیر مردہ ہوجاتا ہے اور معاشرے میں اخلاقی برائیوں کو دبانے اور ختم کرنے کی طاقت نہیں رہتی۔ جب معاشرے میں برے اور بے حیا لوگ اپنی نفسانی بداخلاقی کی گندگی کو اعلانیہ کرنے لگ جاتے ہیں اور اسی معاشرے میں موجود اچھے لوگ بے عملی کی راہ اختیار کرتے ہوئے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لیتے اور زبانوں کو تالے لگا کر خاموشی اختیار کرلیتے ہیں اور اپنی انفرادی نیکی و صالحیت پر قانع اور اجتماعی برائیوں پر ساکت و صامت ہوجاتے ہیں تو پھر پورا معاشرہ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آجاتا ہے اور اس کی طرف سے وہ فتنہ عام برپا ہوتا ہے کہ خشک کے ساتھ تر بھی جل جاتا ہے اور چنے کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔

مذکورہ آیت میں بیان کردہ حکمت و فلسفہ کو اقبالؒ نے اپنے اس شعر میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ یوں بیان کیا ہے:

فطرت افراد سے اغماض بھی کرلیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا: **ایھا الناس مروا بالمعروف وانھوا عن المنکر قبل ان تدعوا اللہ فلا یستجیب لکم وقبل ان تستغفروا افلا یغفرلکم.**

’’اے لوگو! نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے روکا کرو، ایسا نہ ہو کہ اللہ ناراض ہوجائے، پھرتم دعائیں مانگو اور وہ قبول ہی نہ فرمائے اور تم استغفار کرو اور وہ تمہیں بخشے ہی نہیں۔‘‘

قرآن مجید، ارشادِ نبوی اور عقلِ صحیحہ سے یہ امر واضح ہوا کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے ہم جن مشکلات و مصائب کا سامنا کرتے ہیں یا جن آفات و بلیات کا مشاہدہ کرتے ہیں، وہ ہمارے ہاتھوں کی کمائی اور شامتِ اعمال ہوتی ہے۔ بلاسبب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو رنج وغم میں مبتلا نہیں کرتا۔

قرآن مجید کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ وہ ذاتِ کریم ایک انسان کی غلطی وخطاء اور گناہ کی وجہ سے پوری قوم کو مبتلاءِ عذاب نہیں کرتی اور یہ بھی کہ بالعموم انفرادی غلطی کرنے والے کو بھی فوری طور پر اس کے کئے کی سزا نہیں دیتی۔ (الا ماشاء اللہ) بلکہ اس کے عیب کو چھپا کر اس کو توبہ و اصلاح کی مہلت دیتی ہے تاکہ وہ نافرمانی وسرکشی سے باز آجائے۔ دراصل قوموں پر عذاب اور تباہ کن آفات اُن کی اجتماعی بداعمالیوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے آتا ہے جو ان کو نشانِ عبرت بنا کر رکھ دیتا ہے۔

جب اجتماعی ضمیر مردہ، معاشرے میں اخلاقی برائیوں کو ختم کرنے کی طاقت ختم اور بے عملی طاقتور ہوجائے، نیز لوگ اجتماعی برائیوں پر خاموش ہوجائیں تو پورا معاشرہ اللہ کے عذاب کی گرفت میں آجاتا ہے۔

اس وقت جب کہ یہ سطور لکھی جارہی ہیں، پورا پاکستان اور پاکستانی قوم گذشتہ دو ماہ کی طوفانی بارشوں کے باعث سیلاب کی تباہ کن آفات سے گزر رہی ہے۔ سیکڑوں انسانی جانیں جن میں بچے، بوڑھے، جوان اور عورتیں سب شامل ہیں، لقمہ اجل بن چکی ہیں، ہزاروں مویشی موت کے منہ میں جاچکے ہیں، فصلیں اور باغات تباہ ہوچکے ہیں، کتنی ہی مساجد اور مزارات شہید ہوچکے، پُل، بند اور سڑکیں ٹوٹ چکی ہیں، وبائی امراض پھیل چکی ہیں، کاروبار تباہ اور صنعتیں برباد ہوچکی ہیں، عیش وتنعم میں زندگی بسر کرنے والے ایک ایک لقمہ کو ترس رہے ہیں، تن ڈھانپنے کو کپڑا میسر نہیں اور سر چھپانے کو چھت کا سایہ موجود نہیں ہے، دن سورج کی تپتی دھوپ میں اور رات کھلے آسمان کے نیچے کیڑوں، مکوڑوں، مچھر اور دیگر پتنگوں کے جھلمٹ میں گزارنے پر مجبور ہیں۔ اپنے ہاتھ سے خرچ کرنے والے آج سیلابی طوفان کی وجہ سے صدقہ وخیرات لینے والے بن چکے ہیں تاکہ اپنا اور اپنے بچوں کا سلسلہ تنفس برقرار رکھ سکیں۔

ان حالات میں پاکستان کے شہری ہونے کی حیثیت سے ہم کیا کرسکتے ہیں۔۔۔؟ ہم پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔۔۔؟ ہم اپنے اللہ کو کیسے راضی اور اپنے محبوب ﷺ کو

کیسے خوش کر سکتے ہیں۔۔۔؟ کہ وہ تواب الرحیم ہماری بداعمالیوں کو معاف کر کے ہماری ساری قوم اور ہمارے وطنِ عزیز کو اس آزمائش اور آفت سے نجات عطا کردے۔

آیئے! سیلاب کی موجودہ تباہ کاریوں سے نجات پانے اور پھر متاثرین سیلاب کی زندگیوں کی باعزت بحالی کے لیے خلوصِ دل اور پورے جذبۂ ایمانی کے ساتھ اپنے قومی بہن بھائیوں کے دکھوں کو بانٹنے کا سامان کریں۔ اسی صورت ہم موجودہ مشکل حالات سے بھی نجات پالیں گے اور اللہ اور رسول ﷺ کو بھی راضی کرلیں گے۔ گویا کہ خالق ومخلوق دونوں کی رضا وخوشنودی حاصل کرلیں گے۔

رحمتِ حق کو متوجہ کرنے کے ذرائع

مصیبت کی اس گھڑی میں ہم پوری قوم درج ذیل ذرائع پر عمل پیرا ہوکر اس مشکل سے نجات حاصل کرسکتی ہے:

۱۔ انفرادی و اجتماعی توبہ

قرآن و سنت کی تعلیمات پر غورکرنے سے مشکلات و مصائب سے خلاصی پانے کا سب سے پہلا ذریعہ جس کو اختیار کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے بتایا ہے، وہ تمام افرادِ معاشرہ کا انفرادی اور اجتماعی سطح پر اپنے ظاہری اور باطنی، چھوٹے اور بڑے گناہوں سے توبہ کریں اور آئندہ ان گناہوں سے بچنے کا پختہ عزم کریں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی رحمت ہم گناہگاروں اور خستہ حال لوگوں کی طرف متوجہ ہوگی اور وہ اپنی رحمت کے دروازے کھول کر موجودہ مشکلات سے نجات عطا فرمائے گا۔

۲۔ صدقات وخیرات کی کثرت

جس دور میں ہم زندگی بسر کررہے ہیں، یہ مادیت زدہ دور ہے، یہاں ہر معاملے کو مادیت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ہر عمل کا فوری مادی نتیجہ و فائدہ مدنظر رکھا جاتا ہے۔ راہِ حق میں مال خرچ کرتے ہوئے غریبوں، محتاجوں، ضرورت مندوں، مفلوک الحال اور سیلاب کی تباہ کاریوں کا شکار ہونے والے بے بس اور مجبور لوگوں کی بحالی پر خرچ کرنے سے بظاہر فوری طور پر کوئی مادی و مالی مفاد نہیں ملتا اس لیے نفس و شیطان طرح طرح کے وسوسے دلوں میں ڈال کر اہلِ ثروت کو کارِ خیر سے باز رکھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ.** (البقرہ،۲: ۲۶۸)

’’شیطان تمہیں (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکنے کے لیے) تنگدستی کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے، اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے، اور اللہ بہت وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔‘‘

جان لیجئے! کہ مصیبت کی اس گھڑی میں دکھی انسانیت اور اپنے بے گھر ہوجانے والے بہن بھائیوں کا ہاتھ تھام کر اُن کی زندگی کی خوشیاں فراہم کرنے کے لیے جو مال و اسباب خرچ کیے جائیں گے، وہ ضائع نہیں جائیں گے۔ اس لیے کہ صدقہ و خیرات اصل دینداری اور رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے۔ صدقہ و خیرات گناہوں سے نجات، تزکیہ نفس اور قبولیتِ دعا کا وسیلہ اور ذریعہ ہے، مہلک بیماریوں سے شفایابی ہے اور بری موت سے بچانے والا بھی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ صدقہ کا مال اللہ تعالیٰ اپنی شایانِ شان اپنے ہاتھ سے وصول کرتا اور اس کو قرضِ حسنہ قرار دے کر دوگنا اور چوگنا کرکے سخی کو واپس کرتا ہے۔

اے برادرانِ وطن! آگے بڑھیے اور اپنے بھائیوں کی خدمت کا جذبہ لے کر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں اور مال میں سے دل کھول کر ان پر خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان مجبور اور بے بس لوگوں، معصوم بچوں اور بے زبان جانوروں کی مشکلات کو دور کرنے کے سبب ضرور کرم فرماتے ہوئے ہمیں بھی دنیاوی و اُخروی مشکلات سے نجات عطا کرے گا۔

۳۔ تعلیمی اداروں اور درسگاہوں کی بحالی

پسماندہ معاشروں کو عروج کی طرف لے جانے اور غریب قوموں کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے تعلیم بنیاد سے لے کر تکمیلِ عمارت تک مرکزی کردار ادا کرتی ہے۔ تاریخ اس پر گواہ ہے کہ وہ لوگ اورمعاشرہ جو تعلیم سے پہلو تہی کرتا ہے، وہ زندگی کے ہر میدان میں ذلت و رسوائی کا سامنا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اسی بے بسی کے عالم میں پیوندِ خاک ہوجاتا ہے۔ اس لیے قومی معاشرتی ترقی کے لیے تعلیم کا فروغ اور علمی

ماحول کا پیدا کرنا بہت ضروری ہے۔

موجودہ سیلاب نے جہاں دیگر شعبہ ہائے زندگی کو متاثر کیا ہے، وہاں تعلیمی اداروں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور دینی درسگاہوں کو بھی زبردست نقصان پہنچایا ہے۔ کتنے ہی تعلیمی ادارے سیلاب کی نذر ہو گئے یا پھر پانی کی وجہ سے خستہ حال اور ناقابلِ استعمال ہوگئے ہیں۔ تعلیمی ادارے خواہ وہ جدید عصری تعلیم کے مراکز ہیں یا وہ علومِ اسلامیہ کے مراکز ہیں جہاں صبح و شام قال اللہ تعالیٰ و قال رسول اللہ ﷺ کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ جہاں چٹائیوں پر بیٹھ کر ہزاروں کی تعداد میں معصوم بچے اپنے سینوں میں کلام مجید قرآن کو محفوظ کرنے اور تلاوت کرنے میں مشغول رہتے ہیں اور ملائکہ رحمت زمین پر اتر کر اُن کی ہمنشینی اختیار کرتے ہیں۔

آئیے! ان درسگاہوں اور تعلیمی مراکز کو پھر سے بحال کرکے یہاں علمِ نافع کا شغل دوبارہ شروع کیا جائے تو یہ صدقہ جاریہ بھی ہوگا اور مشکل کے ان لمحات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ایک بہترین ذریعہ بھی ثابت ہوگا اور معلم اعظم نبی رحمت ﷺ کی خوشنودی اور رضا کے حصول کا باعث بھی بنے گا۔

۴۔ طلبہ کی بلا امتیاز اعانت

سیلاب کی تباہ کاریوں میں جہاں تعلیمی مراکز اور درسگاہیں تباہ ہوگئیں، وہاں ان میں موجود علمی جواہر پر مشتمل لائبریریاں، سائنسی تجربہ گاہیں اور انفارمیشن کے جدید ذرائع پر مشتمل تربیت گاہیں بھی سیلابی ریلوں کی نذر ہوگئی ہیں۔ ذاتی لائبریریاں محفوظ رہیں نہ گھروں میں طلبہ کے سکول و کالج کی نصابی کتب محفوظ رہیں۔ قوی اندیشہ ہے کہ سیلاب کی زد میں آنے والے علاقہ جات کے ہزاروں بچے اپنی کتب اور تعلیم کے دیگر ذرائع اور سہولیات کھو جانے کے باعث علم کے زیور سے محروم رہ سکتے ہیں۔

ایسی صورت حال میں سیلاب زدہ تمام علاقہ جات میں فوری طور پر تعلیمی سرگرمیاں شروع کرنے کا ہنگامی اور عارضی بندوبست کرنے کے ساتھ تعلیمی اداروں کی مستقل طور پر بحالی کے لیے ترجیحی بنیادوں پر کام شروع کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے حکومت اور معاشرے کے تمام لوگوں خواہ وہ اہلِ ثروت، صاحبِ حیثیت ہیں یا متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، وہ آگے بڑھیں اور اہم قومی و ملی فریضہ ادا کرتے ہوئے نصابی کتب، فیس اور دیگر ذرائع تعلیم کی صورت میں طلبہ کی مدد کریں۔ یہ اُن کی طرف سے صدقہ جاریہ بھی ہوگا اور نہ ختم ہونے والا ایک ایسا عمل ہوگا جس کا انھیں ہمیشہ ثواب ملتا رہے گا۔ نبی رحمت ﷺ نے اپنی زبانِ حق ترجمان سے ارشاد فرمایا ہے:

’’جب آدمی فوت ہوجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے۔ سوائے تین اعمال کے جو باقی رہتے ہیں: نیک اولاد جو مرحوم والدین کے لیے دعائے مغفرت کرتی رہتی ہے۔ وہ علمِ نافع جس سے نفع اٹھایا جاتا رہے اور صدقۂ جاریہ۔‘‘

موجودہ حالات میں جس کے لیے جتنا ممکن ہو وہ فروغِ علم میں اپنا کردار ادا کرے۔

۵۔ مساجد اور خانقاہوں کی بحالی

مسجدیں فلک نیلگوں کے نیچے وہ قطعاتِ ارضی ہیں کہ جن کو صاحب قبلتین ﷺ نے اپنی زبان رسالت مآب ﷺ سے خود ارشاد فرمایا:

احب البلاد الی الله مساجدها.

’’اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے محبوب ترین مقامات مساجد ہیں۔‘‘

اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ روئے زمین کا سب سے بہترین حصہ وہ ہے جس پر مسجد تعمیر کی جائے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے اس کے بندے مسجد سے بھی محبت رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جن کے دل مسجد میں لگے رہتے ہیں، قیامت کے روز جب عرشِ الٰہی کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنے عرش کے سایہ کے نیچے جگہ عطا فرمائے گا۔ مسجد کی خدمت کرنا اور اسے آباد کرنا ایمان کی علامت ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ .

’’اللہ کی مسجدیں صرف وہی آباد کرسکتا ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لایا۔‘‘ (التوبة، ۹:۱۸)

اسی طرح خانقاہیں ذکرِ الٰہی، تزکیۂ نفس اور خدمتِ خلق

کے مراکز ہوتی ہیں جہاں اہلُ اللہ حق ھو کی ضربوں سے زنگ آلودہ دلوں کو صیقل کرتے اور نورِ توحید سے منور کرتے ہیں۔ جہاں سنتِ الٰہیہ پر عمل کرتے ہوئے ہرکس و ناکس، امیر وغریب، اپنے اور پرائے یہاں تک کہ مسلم و غیر مسلم سب کو بلاامتیاز لنگر کھلایا جاتا ہے اور یہ ساری خدمات محض رضائے الٰہی کی خاطر سرانجام دی جاتی ہیں۔

مساجد اور خانقاہیں بھی سیلاب کی غضبناک لہروں اور بے رحم تھپیڑوں کی زد میں ہیں۔ مساجد کے فلک بوس مینار جہاں سے اللہ اکبر اللہ اکبر کی صورت میں اذان کے نغمۂ سرمدی کی روح پرور اور کیف آور صدائیں بلند ہوتی تھیں، منہ زور سیلاب کی وجہ سے کئی ہفتوں سے وہ فضائیں شہادتِ توحید و رسالت کی وجد آفریں آوازیں سننے کو ترس گئی ہیں۔ گویا کہ سیلاب نے ہمارا صرف معاشرتی و معاشی نقصان ہی نہیں کیا بلکہ ناقابلِ تلافی ہمارا دینی و روحانی نقصان بھی کیا ہے۔ یہ ہم سب کی من حیث القوم اجتماعی ذمہ داری بھی ہے اور ملی فریضہ بھی ہے کہ ہم ان مساجد اور خانقاہوں کی تعمیرِ نو اور مرمت کے کام ترجیحی بنیادوں پر کریں تاکہ ذکرِ الٰہی اور خدمتِ خلق کے یہ دونوں مراکز بحال ہوکر معاشرے کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کرسکیں۔

۶۔ پلوں اور گزرگاہوں کی تعمیر

ایک مقام سے دوسرے مقام تک جانے کے لیے پل اور گزرگاہیں واحد ذریعہ ہوتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو لوگ اپنے اپنے موضعوں، قصبات اور شہروں تک محدود ہوکر رہ جائیں۔ موجودہ سیلاب کی تندو تیز لہروں اور شدت کی وجہ سے مختلف علاقوں میں موجود درجنوں کے حساب سے پل ٹوٹ گئے، راستے مٹ گئے اور دریاؤں اور نہروں کے بند کھل گئے جن کی وجہ سے پانی نے آبادیوں کا رخ کیا۔ اس طوفانی صورت حال کی وجہ سے لوگوں کی اکثریت اپنے گھروں، اپنے علاقوں میں محصور ہوکر رہ گئے۔

آج کے اس دور میں اکثر لوگوں کا ذریعہ معاش مختلف صنعتوں، فیکٹریوں اور منڈیوں میں موجود دیگر تجارتی و معاشرتی مراکز کے ساتھ وابستہ ہے۔ ایسے میں جب تک مختلف علاقوں کو ملانے والے پلوں اور موضعات و قصبات سے شہری منڈیوں اور تجارتی مراکز کو ملانے والے راستے اور گزرگاہیں دوبارہ تعمیر نہیں کیے جاتے، اس وقت تک پسماندہ حال لوگوں کو رزقِ حلال کمانے کے مواقع میسر نہیں آسکتے۔

اس لیے حکمرانوں اور ہر سطح کے حکومتی نمائندوں، سیاسی و سماجی عہدیداران اور کارکنوں، اہلِ ثروت اور ہر پاکستانی جو اس سیلاب کی تباہ کاریوں سے محفوظ ہے، اس کی ذمہ داری بنتی ہے کہ مصیبت کے اس موقع پر ان لوگوں کے شانہ بشانہ کھڑے ہوں اور اُن کو زندگی کی خوشیاں لوٹانے کے عملی اقدامات کریں۔

۷۔ بیماروں کا علاج معالجہ

سیلاب کے منہ زور گھوڑے نے متاثرہ علاقوں کے مکینوں کی چھتیں تو چھین ہی لی تھیں مگر جب اس سیلابی پانی کے اندر آبادیوں میں بہنے والے گندے پانی کے نالوں کا زہریلے جراثیموں ملا پانی بھی شامل ہوگیا تو طرح طرح کی وبائی امراض سر اٹھانے لگیں اور مختلف قسم کی جلدی امراض نے اپنے پنجے گاڑنے شروع کردیئے۔ ان پریشان کن حالات میں کون ہے جو ان کے دکھ بانٹے، ان کے زخموں پر مرہم رکھے اور ان کے درد کا درماں بنے۔

اے اہلِ وطن! یہ مجبور و بے بس ہمارے بھائی جو اس وقت سخت کرب میں مبتلا ہیں، ان کی آنکھیں آس و امید لگائے ہماری راہیں تک رہی ہیں۔ آگے بڑھیئے! ان خستہ حال، بیمار و لاچار اور شدتِ غم میں کڑھتے ہوئے، بے سہارا لوگوں کا سہارا بن کر ان کے علاج معالجہ کی عملی تدبیر کریں۔ ڈاکٹرز، پیرامیڈیکل اسٹاف، حکماء و اطباء باہر نکلیں اور ان مجبور انسانوں تک پہنچ کر اُن کی خدمت اور علاج کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا سامان کریں۔ یہ اُن کی دعائیں لے کر اپنے رزق میں اضافہ اور غلطیوں کو معاف کرواسکتے ہیں۔کسی مسلمان کی عیادت کرنا، اسے تکلیف میں راحت پہنچانا یہ مخلوق کی خدمت ہے تو اس کے خالق کی عبادت بھی ہے۔

سیلاب کی تباہ کاریوں کا یہ موقعہ بیماروں کے علاج معالجہ، ان کی خدمت اور اُن کی عیادت کرکے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جنت کا مستحق قرار پانے کا بہترین موقع ہے۔ آگے بڑھئے!

رحمت اپنے دامن میں پناہ دینے کو تیار ہے۔

سرمایہ داروں اور صنعت کاروں سے گزارش

وہ سرمایہ دار اور صنعت کار جن کی فیکٹریوں میں سیلاب سے متاثرہ علاقوں کے رہنے والے مزدوری کرتے تھے اور اپنا خون پسینہ ایک کرکے مل اور فیکٹری کا پہیہ چلا رہے تھے، اُن پر اخلاقی فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے ان کارکنان کو تنہا اور بے آسرا نہ چھوڑیں بلکہ ان ہی مزدوروں کے ہاتھ کی کمائی ہوئی دولت سے ان کی احتیاج کو دور کرکے اُن کی دعائیں لیں اور اپنے خالق و مالک جس نے ان کو رزق کی فراوانی سے بہرہ یاب کیا ہے، اس کی رحمت ومغفرت طلب کریں۔ اس کی مخلوق جس کی شبانہ روز کی محنت سے اُن کو یہ آسودگی نصیب ہوئی ہے، ان پر مال خرچ کرکے انفاق فی سبیل اللہ کی صورت میں عبادت کرتے ہوئے رحمتِ حق کو اپنی طرف متوجہ کرکے اس کا شکر ادا کریں اس لیے کہ اس کا وعدہ ہے اگرتم میرا شکر ادا کرو گے تو میں تمھیں اپنی مزید نعمتیں عطا کروں گا۔

ان حالات میں کیا ان کو تنہا چھوڑ دیا جائے اور ہم خوش رہیں کہ ہمیں تو کچھ نہیں ہوا۔ نہیں ایسا نہیں، یہ تو خودغرضی ہے۔ یہ وقت خودغرضی کا نہیں بلکہ اپنے خالق و مالک کی رحمت پر بھروسہ کرتے ہوئے صبر و استقامت اور جواں مردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا تن من دھن لگا کر ان کی ہر قسم کی مدد کرکے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو طلب کرنے کا ہے۔

منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کا کردار

منہاج ویلفیئر فاونڈیشن کے زیر اہتمام سیلاب زدگان کی مدد کیلئے پورے پاکستان میں امدادی سرگرمیاں جاری ہیں۔ منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن پہلے دن سے ہی اپنے غم زدہ پاکستانی بہن بھائیوں کی مدد کیلئے میدانِ عمل میں موجود ہے۔ ڈیرہ غازی خان، روجھان، فاضل پور، راجن پور، جام پور، کروڑلعل عیسن، جیکب آباد، شکار پور، ڈیرہ اللہ یارسمیت سندھ بلوچستان اور جنوبی پنجاب کے سیلاب زدہ علاقوں میں متاثرین کی مدد کیلئے ہمارے رضا کار موجود ہیں۔ منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن سیلاب زدگان کی امداد اور بحالی کیلئے دن رات کوشاں ہے۔ غذائی اجناس، خیمے، پانی، ادویات، مچھر دانیاں، چارپائیاں، بستر، برتن سمیت دیگر ضروری اشیاء کا متاثرہ علاقوں کیلئے روزانہ روانگی کا سلسلہ جاری ہے۔ متاثرہ علاقوں میں ریسکیو اور ریلیف کے ساتھ ساتھ متاثرین کی بحالی اور آبادکاری کی منصوبہ بندی بھی کر رہے ہیں۔

سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں خیمہ بستیاں قائم کر دی گئی ہیں۔ خیمہ بستیوں میں منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کی جانب سے پکا پکایا کھانا، پانی، بجلی و دیگر سہولیات فراہم کی جا رہی ہیں۔ متاثرین کے علاج معالجے کیلئے میڈیکل کیمپ قائم کئے گئے ہیں، بچوں کی تعلیم کیلئے عارضی سکول اور مساجد بھی بنائی گئی ہیں۔ منہاج ویلفیئر کے رضا کار متاثرہ علاقوں میں مچھر مار سپرے بھی کروا رہے ہیں۔ موبائل ہسپتال اور کیمپس کلینک کے ذریعے ڈاکٹرز، پیرامیڈیکل سٹاف متاثرہ مریضوں کا علاج کر رہے ہیں۔ اب تک سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں تیس سے زائد مقامات پر میڈیکل کیمپس لگائے جا چکے ہیں۔ سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں مریضوں کی بڑی تعداد ملیریا، ڈائریا، سانس کے انفیکشن، بخار، جلد کی بیماریوں میں مبتلا ہے۔ سانپ کے کاٹے اور معدے کی خرابی کے مریضوں کو بھی فوری طبی امداد دی جا رہی ہے۔ منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کی میڈیکل ٹیمیں ڈینگی، تیز بخار اور خون کی کمی کے مریضوں کو بھی علاج فراہم کر رہی ہیں۔

آگے بڑھیے اور منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کے ذریعے دکھی اور مشکلات میں گھری انسانیت کے لیے آسانیاں فراہم کرنے کا سبب بنیں۔ یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اگر ہم خلوصِ نیت اور قومی ہمدردی کے مخلصانہ جذبے کے ساتھ دکھی مخلوق کے دکھوں کا مداوا کریں گے تو خالقِ کائنات ہم سے ضرور خوش ہوگا اور ہماری چھوٹی چھوٹی خطاؤں (گناہِ صغیرہ) کو معاف کردے گا۔ نہ جانے کس مفلوک الحال اور غریب الدیار کے منہ سے نکلنے والی دعاء عرشِ الٰہی تک پہنچ کر شرفِ قبولیت پاجائے اور خدمتِ خلق کرنے والوں کی بخشش کا ساماں بن جائے۔

❁❁❁❁❁

خصوصی ہدایات برائے میلاد مہم 2022ء

ماہ ربیع الاول اپنی آغوش میں ولادت مصطفیٰ ﷺ کی خوشیاں لئے امت مسلمہ پر سایہ فگن ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے تحریک منہاج القرآن جس جوش و جذبۂ ایمانی سے میلاد مناتی ہے، پوری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

امسال بھی جشن عید میلاد النبی ﷺ کو حسب سابق جوش و جذبے اور عقیدت و احترام سے منایا جائے گا۔ اس عزم کے ساتھ کہ

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے ۔۔۔ دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کردے

اس سال 39 ویں سالانہ عالمی میلاد کانفرنس ان شاء اللہ العزیز مینار پاکستان پر منعقد ہوگی جس میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری خصوصی خطاب فرمائیں گے۔ دنیا بھر سے ہزار ہا عشاقانِ رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ علماء کرام و مشائخ عظام تشریف لائیں گے۔ تحریک منہاج القرآن اور اس کے جملہ فورمز و تنظیمات مرکزی ہدایات کے مطابق میلاد مہم کامیاب بنانے کے لئے محنت و کوشش کریں تاکہ ہم عشق و محبت رسول ﷺ کے اس مقدس ماہ میں اپنے آقا ﷺ کے دین کی تجدید و احیاء اور مصطفوی معاشرے کی تشکیل کے پیغام کی زیادہ سے زیادہ ترویج و اشاعت کو ممکن بنانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔

☆ اس سال میلاد مہم کا دورانیہ 20 ستمبر 2022ء تا 30 اکتوبر 2022ء تک ہوگا۔

جملہ تنظیمات اور جملہ فورمز درج ذیل ہدایات کے مطابق میلاد مہم کو کامیاب بنانے کے لئے اپنا کردار ادا کریں:

☆ ربیع الاول کا چاند دیکھنے کے بعد دو رکعت نماز نوافل شکرانہ ادا کریں۔

☆ اپنے اعزاء و اقرباء، محلّہ داروں اور دوستوں کو عید میلاد النبی ﷺ کی مبارکباد بالمشافہ، ای میل، SMS، فیس بک، WhatsApp، ٹویٹر یا کسی بھی ذریعہ سے دیں۔

☆ استقبال ربیع الاول کے حوالے سے علاقہ میں ایک بھرپور جلوس/ مشعل بردار جلوس کا اہتمام کیا جائے۔

☆ 39 ویں سالانہ عالمی میلاد کانفرنس کو عظیم الشان بنانے کے لیے جملہ تنظیمات/ فورمز/ کارکنان محنت کریں۔ علاقہ میں موجود مذہبی، سیاسی، فلاحی تنظیمات کے ساتھ ساتھ طلبہ، وکلاء، مزدور اور کسان یونینز کو بھرپور دعوت دی جائے۔

☆ علاقہ بھر میں استقبال ربیع الاول پر مبارک باد کے بڑے بڑے ہورڈنگز و بینرز لگوائیں۔

☆ صوبائی حلقہ/ تحصیل کی تنظیم اپنی تمام یونین کونسلز میں کم از کم ایک میلاد کانفرنس منعقد کرے۔

☆ ہر تنظیم شیخ الاسلام کی کتب کے دعوتی پیکج تحائف کی صورت میں مذہبی، سیاسی اور سماجی شخصیات کو دیں۔

☆ تنظیمات کیبل نیٹ ورک کے ذریعے شیخ الاسلام کے میلاد النبی ﷺ کے حوالے سے خطابات چلوانے کا بندوبست کریں۔

☆ یکم تا 12 ربیع الاول اپنے اپنے گھر میں خواتین، بچوں کو عید میلاد النبی ﷺ کی اہمیت بیان کریں تاکہ بچوں میں میلاد النبی ﷺ کی خوشی کا احساس پیدا ہو۔ اپنے اپنے گھروں میں خصوصی حلقہ ہائے درود و فکر کا انعقاد کریں۔

☆ ہر کارکن ماہ ربیع الاول کے پہلے 12 دن کم از کم 1000 مرتبہ اور باقی دنوں میں کم از کم 500 مرتبہ روزانہ درود پاک کا معمول بنائیں۔

☆ تمام رفقاء 12 ربیع الاول تک حضور ﷺ کے میلاد کی نسبت سے 12 افراد کو تحریک کا رفیق بنا کر فروغِ عشق رسول ﷺ اور احیائے اسلام کی عظیم عالمگیر تحریک کا حصہ بنائیں۔

☆ پورا مہینہ گنبد خضریٰ کا مونوگرام اور نعلین پاک سینوں پر آویزاں کیے جائیں۔

☆ ہر تحریکی گھرانہ اپنے گلی بازاروں میں آقا ﷺ کی آمد کی خوشی میں بچوں کے اندر کھانے پینے کی اشیاء تقسیم کرے تاکہ شعوری طور پر بچوں کے اندر حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی کا احساس پیدا ہو۔ نیز گھروں اور تحریکی دفاتر پر چراغاں کیا جائے جو یکم سے 12 ربیع الاول تک رہے۔

☆ میلاد مہم کو کامیاب بنانے کے لیے ضلعی اور صوبائی حلقہ جات/ تحصیلی کوآرڈینیشن کونسلز کے اجلاس میں ابھی سے ہی ذمہ داریاں تقسیم کردی جائیں اور تمام احباب اس میں بھرپور محنت کریں۔

سیرت و فضائلِ نبوی ﷺ کے ذکرِ جمیل پر مشتمل عظیم ذخیرۂ علم

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

کے سیکڑوں خطابات اور تصانیف سے استفادہ کیجیے

ایسا انسائیکلوپیڈیا جو دلوں کی ویران بستیاں آباد کرنے کے ساتھ ساتھ
ذہنِ جدید میں پیدا ہونے والے اِشکالات کے مدلّل جواب دیتا ہے
اور اِصلاحِ اَحوال و اِحیائے اُمت کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN
LAHORE
OCT-2022
Regd CPL No.41

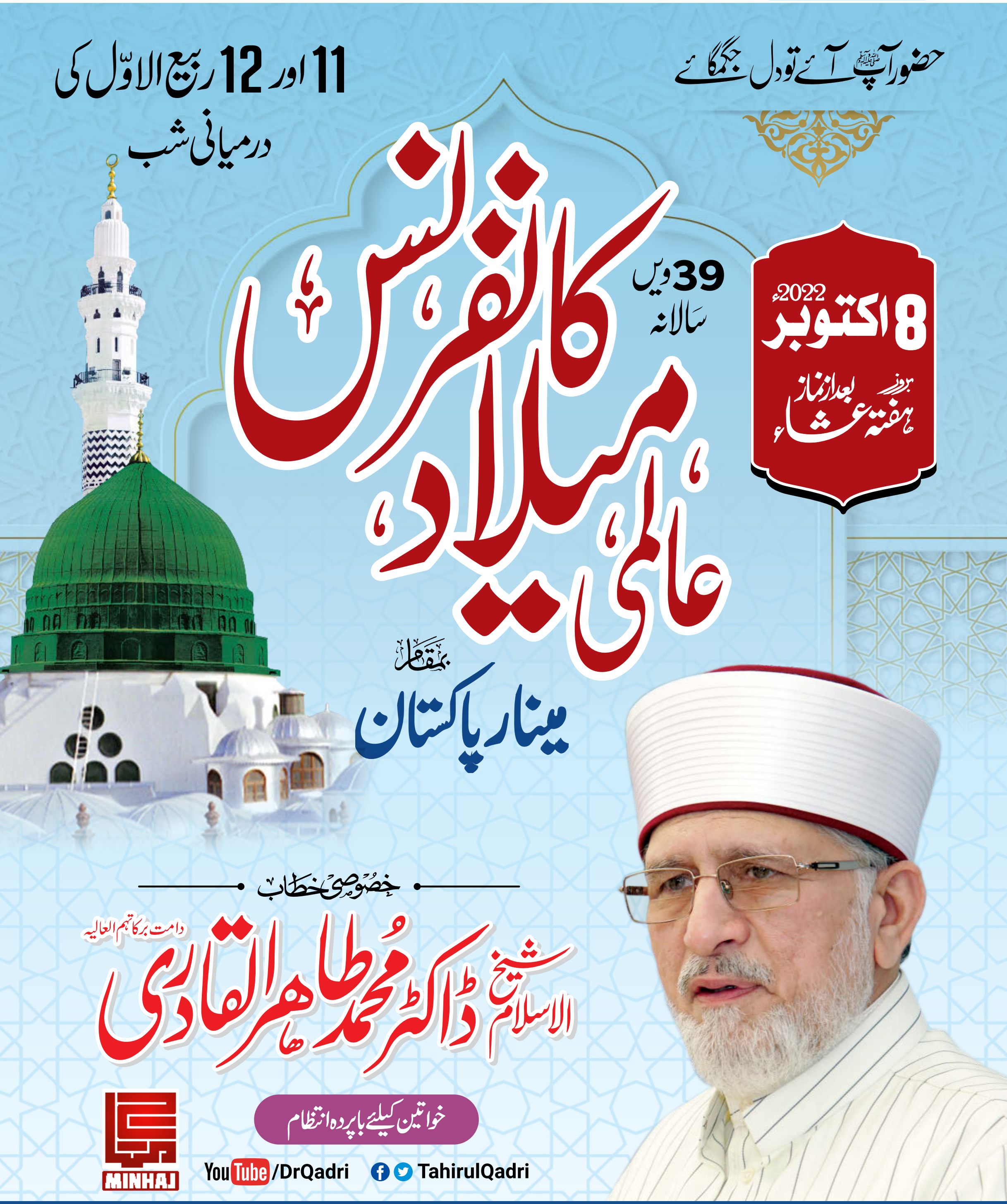

منہاج القرآن انٹرنیشنل